اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد: ۲۷
شمارہ: ۱

جمادی الاول/جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ
اکتوبر ۱۹۹۱ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۴۳۵/۳۴۱/۳۴۰ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

نقشِ آغاز (نفاذِ شریعت کی مہم میں آزمائش کا ایک اور سنگین مرحلہ)	ادارہ	۲
وفاقی شرعی عدالت کا عظیم تاریخی فیصلہ	مولانا عبدالقیوم حقانی	۹
غیر اسلامی ممالک میں قضا کا طریقہ کار	مولانا مفتی غلام الرحمٰن	۱۵
اسلام میں سماجی خدمات کا تصور	ڈاکٹر سعید اللہ قاضی	۲۳
وسط ایشیا، توران، ترکستان اور ماوراء النہر	ڈاکٹر کبیر احمد جائسی	۳۱
مصیبتوں اور پریشانیوں کا علاج	جناب عبدالحی ابڑو	۳۹
جرح و تعدیل کا تدریجی ارتقاء	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی	۴۵
عورت اور فیشن	الحاج ابراہیم یوسف باوا	۵۷
بتلائے جس نے قوم کو ملی تشخصات	حافظ محمد ابراہیم فانی	۶۱
تعارف و تبصرۂ کتب	مولانا عبدالقیوم حقانی	۶۲

پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نفاذ شریعت کی مہم میں آزمائش کا ایک اور سنگین مرحلہ نفش آغاز!

گزشتہ نو دس سال سے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے خالص اسلامی اور دینی سیاست کے محاذ پر جس سرگرمی، اخلاص و للہیت اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے نفاذ شریعت کے لئے جو عہد ساز اور تاریخ ساز کردار ادا کیا مثلاً سینٹ میں شریعت بل کی تحریک اور منظوری، اب کے سرکاری شریعت بل میں ۹ ترمیمات کی تجویز اور ان کی منظوری کے ساتھ ساتھ آئین میں قرآن و سنت کی بالادستی کی ترمیم کے وعدوں کو ایفاء کرانے کے لئے جدوجہد کا عزم و لائحہ عمل، دینی قوتوں کو از سرنو منظم کرنے کے لئے رابطہ مہم، آئی جے آئی کے سربراہی اجلاس میں وزیر اعظم نواز شریف سے اسمبلیاں توڑنے کا مطالبہ، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نفاذ شریعت کے حوالے سے مولانا سمیع الحق کا امتیازی مقام، یہودی اور امریکی لابی کی ناراضگیاں، خلیجی جنگ میں درست موقف اختیار کرنے پر اندرون اور بیرون ملک بعض قوتوں کی برہمی، رفض و عداوت صحابہ کے خلاف کام کرنے والی دینی قوتوں کی سرپرستی، فقہ حنفی اور خالص سنیّت کی بنیاد پر فقہ حنفی کے پبلک لاء کا مطالبہ، جہاد افغانستان کے سلسلہ میں حکومتی پالیسی پر کڑی تنقید، امریکی عزائم کی بھرپور مذمت اور بعض خفیہ ایجنسیوں کی کارستانیوں کا بھرپور تعاقب افغانستان کی آزادی اور وہاں اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے استحکام اور خالص خدا تعالیٰ کے دِین ہی کی سربلندی کے لئے چہار طرفی جنگ میں عزیمت و استقامت کا مظاہرہ اور اس سلسلہ میں مزید اہداف کے حصول کے لئے کام کرنے اور اپنے کام میں جنون اور وارفتگی اور تمام صلاحیتیں کھپا دینے اور مقاصد میں کامیابی کے واضح امکانات اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ بیرون ملک اسلام دشمن بڑی طاقتیں، اندرون ملک لادین قوتوں کی آلہ کار لابیاں اور ملکی اقتدار پر براجمان منافقین سب ہی یہ محسوس کرنے لگے کہ اس نوخیز مگر خالص اسلامی سیاست اور نفاذ شریعت کی علمبردار قیادت کو محض دھونس، لالچ، خوف و ہراس، سیاسی حربوں، پرمٹوں اور مالی سیکنڈلوں کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی اسے گذشتہ نو، دس سال کے مختلف مراحل اور شدید آزمائشوں میں پرکھا گیا مگر اسے کسی بھی ہتھکنڈے اور جال میں نہ پھنسایا جا سکا۔

گزشتہ عشرے سے خالص نفاذ شریعت کی جدوجہد کے نتیجہ میں تازہ ترین صورتحال یہ تھی کہ حکمرانوں سمیت تمام مخالف اسلام طاقتوں کی قوت اقدام ختم ہو چکی تھی وہ سمجھتے تھے کہ مولانا سمیع

الحق، ان کے رفقاء اور ان کی ہمنوا دینی قوتیں اب شریعت کے دفاع یا محض نفاذ شریعت کے مطالبہ اور صرف قرارداد کی لڑائی نہیں بلکہ وہ عملی اقدام، شریعت کے نفاذ اور انقلاب کی لڑائی لڑیں گے۔ لہٰذا حکومت سمیت بدی کی تمام قوتیں ان سے خائف ہونے لگیں وہ دراصل ان کے اپنے موقف پر صداقت، مشن کی حقانیت، اور خالص قرآن و سنت ہی کی بنیاد پر سیاست کاری ہے جسے اپنے اور پرائے سب دیکھ رہے ہیں اور بیرونی دشمنان اسلام بھی محسوس کر رہے تھے ـــــــ ایک طرف وہ دیکھ رہے تھے کہ مولانا سمیع الحق کا بے داغ کردار، بے ریا عمل، نفاذ شریعت کی مہم، جرات، بیباکی، حق گوئی، شجاعت اور عزیمت پر مبنی بے داغ سیرت عامتہ المسلمین کے دلوں کو مسخر کرتی چلی جا رہی ہے اور دوسری طرف انہیں یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر "گربہ کشتن روز اول" کا اقدام نہ کیا گیا تو یہ چنگاری بھڑک سکتی ہے کفر و ظلمت اور جبر و استبداد کے ایوانوں کو خاکستر بنا سکتی ہے۔

موجودہ حالات میں ملکی سیاست اور قوم کی ترجمانی کا راستہ خطرات سے محفوظ اور پر عافیت ہوتا ہے اگر علماء حق چاہیں تو مفادات، مقاصد، جاہ و مال اور اقتدار سب دست بستہ حاضر خدمت رہیں مگر خالص نفاذ شریعت کی جدوجہد اور عزیمت و دعوت کی راہ خطرات سے پُر اور دشمن جان و مال ہوتی ہے۔ مولانا سمیع الحق اور انکے رفقاء داعی حق کے جن مقامات پر فائز ہیں انہیں زندگی بھر ہر قدم پر اور ہر مرحلہ میں خطرات کا سامنا کرنا پڑا اور مسلسل حوادث سے مقابلہ رہا ـــــــ جبکہ مفاد پرست سیاست دان اور اقتدار پرست حکمران اور مترفین ملحدین پرعافیت راستے پر چلتے رہے تو وہ عقیدت و احترام کی ہر متاع ان کے قدموں پر نچھاور کرتے رہے مگرجب آزمائش کا دور آیا جب حکومتی شریعت بل میں مولانا سمیع الحق نے ۹ ترامیم پیش کر کے شریعت بل کو مسترد کر دیا اور گذشتہ دنوں اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہی اجلاس میں ڈنکے کی چوٹ ببانگ دہل وزیر اعظم سے قومی اسمبلی توڑنے اور دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کیا اور کہا کہ تم لوگ اسلام کے نام پر برسراقتدار آئے تھے جب نفاذ شریعت میں ممبران اسمبلی آپ کا ساتھ نہیں دیتے تو ان کو واپس اپنے ووٹروں کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ قوم ان کو ان کے کئے کی سزا دے سکے۔ جب مولانا سمیع الحق نے اسمبلی کے سپیکر اور شیخ رشید کے فحش کردار پر برملا تنقید کی اور اسے پوری قوم کی رسوائی اور پاکستان کی عالمی تذلیل قرار دیا تو حکومت سمیت بدی اور کفرو استبداد کی تمام قوتوں نے اعراض و انکار کی ہر سنت تازہ کر دی۔ فرعون، نمرود ہامان، ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور عبد اللہ بن ابی کے تمام کردار سامنے آتے رہے۔ کمینہ خصلت لوگوں کا

خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صریح طور پر دیکھ لیتے ہیں اور وہ یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اسے بڑھا رہی ہیں اور ان کی اپنی کمزوریاں انہیں گرا رہی ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ وہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اس کی خوبیاں اخذ کریں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کے اندر بھی اپنی ہی جیسی برائیاں پیدا کر دیں اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔ یہی گندگی اور غلیظ ذہنیت تھی جس نے اس مرحلے پر بھی دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ' سیاسی مقابلے' اخلاقی جرات اور دلائل کی قوت سے ہٹا کر رذیلانہ حملوں' اخلاق سوز حرکتوں اور کمینہ ترین فتنہ انگیزیوں کی طرف پھیر دیا۔

سچ بولنا بڑا خطرناک ہے سچ سے زیادہ کوئی شے کڑوی نہیں۔ سچ بہرحال سچ ہے جس نے بہرصورت ظاہر ہونا اور غالب آنا ہے ـــــ مگر موجودہ مغرب کی لادین سیاست کے اطوار میں مولانا سمیع الحق کو بھی یہی مشورہ دیا جاتا رہا ہے کہ ہر وقت اور ہر مقام پر سچ بولنا بالخصوص سیاسیات میں چور کو چور کہنا اور منہ سامنے کہنا' ظلم کو ظلم کہنا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا' منافق کی منافقت طشت از بام کرنا اور ڈنکے کی چوٹ کرنا یہ ایسی سچی جرأتیں ہیں کہ جو سیاسیات میں مہلک بھی ہو سکتی ہیں اور مضر بھی۔ مگر انہوں نے اس کی پرواہ کئے بغیر ہمیشہ چومکھی جنگ لڑی اور ہمیشہ سچ کہا' سچ لکھا اور سچا قدم اٹھایا۔ البتہ ہمیں اس کا اعتراف ضرور ہے کہ سچ کے لئے ہمیشہ دو کی ضرورت ہوتی ہے ایک وہ جو سچ بولے اور دوسرا وہ جو سچ سنے۔ سچ تب ہی مکمل ہوتا ہے۔ یہاں سچ بولنے والے کم ہیں لیکن سچ سننے والے تو کمیاب بلکہ نایاب ہیں اکثر سچائیاں صرف اس لئے ناکام ہو گئیں کہ ان کے پاس طاقت نہ تھی اور بیشتر جھوٹ اس لئے سچ ہو گئے کہ انہیں طاقت نے پروان چڑھایا۔ آج کل سچائی قوت کی مرضی اور حق' طاقت کی خواہش کا نام رہ گیا ہے ـــــ مگر اصلی حق' بہرحال حق ہے جو زر خالص ہے جسے جتنا دبایا جائے' چھپایا جائے اور مٹی کی تہوں میں دفن کر دیا جائے سونا بہرحال سونا ہے وہ دب سکتا ہے چھپ سکتا ہے مگر فنا نہیں ہو سکتا ـــــ جب حالات بدلے اور مٹی کے انبار دور ہوئے وہ اصل حقیقت میں پہلے سے زیادہ چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔

چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا کہ مولانا سمیع الحق مدظلہ کے خلاف کردار کشی کی گھناؤنی سازش کا بھانڈا دوسرے روز پھوٹ گیا۔ دنیا بھر کے عالمی نشریاتی اداروں بی بی سی' گارڈین' یورپی صحافت کے معروف

اخبارات، اپوزیشن کی تمام قوتوں حتیٰ کہ مولانا سمیع الحق کے ذاتی دشمنوں تک نے اول وہلہ میں اسے سنتے ہی "**سبحانک ھذا بہتان عظیم**" کہا اور اسے نفاذ شریعت کی جدوجہد کو سبوتاژ اور دینی قوتوں کو تاراج کرنے کی سازش اور نئے دور میں باطل طاقتوں کا آخری حربہ قرار دیا۔ ملک بھر کے اخبارات اور ہفت روزوں کے تجزیہ نگاروں نے مولانا سمیع الحق کے عنوان سے دینی قوتوں کے خلاف برپا کی جانے والی خطرناک منصوبہ بندی اور بدترین سازش کے تمام تار و پود بکھیر دیئے خود مولانا سمیع الحق نے ایوان بالا سینٹ میں اپنے خطاب میں اسلام دشمن اور باطل قوتوں کو خبردار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ایسے بزدلانہ اوچھے اور کمینہ پن کے مظہر ہتھکنڈوں سے ہمیں نفاذ شریعت کے لئے بھرپور جہاد سے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ چند روز بعد اس کردار کشی کا ذریعہ بنائے جانے والی خاتون نے لاہور ہائی کورٹ کے روبرو اپنے وکیل کے ذریعہ ایک درخواست گزار دی ہے جس میں اس نے واضح کیا ہے کہ میں مولانا سمیع الحق کو جانتی تک نہیں اور اخبارات میں من گھڑت سکینڈل اور باتیں ان سے منسوب کر کے چھاپی گئی ہیں درخواست میں قومی اخباروں کے مدیروں، زیدی ٹریڈنگ اسلام آباد کے ایس ایم زیدی، متعلقہ علاقہ کے تھانیداروں اور وفاقی حکومت کو مدعا علیہان میں شامل کیا گیا ہے (روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء)

فبراہ اللہ مما قالوا و کان عند اللہ وجیھا (الایۃ)

اوچھے ہتھکنڈوں انسانیت سوز اور اخلاق سوز حرکتوں کا پس منظر اور پردہ نشینوں کو سب جانتے ہیں کہ وہ کون اور کس قماش کے لوگ ہیں جن کے ہاتھوں نیو ورلڈ آرڈر کی ایجنٹیاں اور ایجنسیاں ہیں جن کے پاس حکومت اور عدالت ہے جن کی اپنی زندگی عیاری، فحاشی اور سازشوں کا نتیجہ ہے جو بجائے خود کوئی مایہ ناز امتیاز اور خصوصیت نہیں رکھتے۔

گزشتہ ہفتے ہونے والی سازش کے پس منظر میں مولانا سمیع الحق سے ہر اس قوت نے اپنا فرض نبھانے کی کوشش کی جو ہمیشہ سے ان کی ناوک افگنی کا شکار رہی۔ اس سازش میں حکومت سمیت وہ تمام لادین قوتیں اور منافق کردار شریک ہیں جنہیں پاکستان میں اقتدار، میڈیا اور پولیس پر رسوخ حاصل ہے جو ہمیشہ سازشوں میں پلتے اور بڑھتے رہے ہیں جو فطرت کے کاسہ لیس، علم کے بہروپئے اور عمل کے اپاہج رہے ہیں ——— جہاں تک ملک میں خالص دینی اہداف پر کام کرنے اور غلبہ شریعت کے لہروں کے اچھلنے دینی بیداری کے ابھرنے اور خالص اسلامی سیاست کے مچلنے کا تعلق ہے

مولانا سمیع الحق سے زیادہ کوئی شخص پاکستان میں سرفہرست نہیں رہا اور جس حد تک اس جرم کی سزا دینے کا تعلق ہے ان سے زیادہ کسی شخص کے خلاف سازش نہیں کی گئی۔

امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا ایک پہلو بلکہ سب سے اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے مذموم عالمی مقاصد میں سب سے بڑی مضبوط اور مستحکم رکاوٹ دینی قوتیں اور علماء حق کا قافلہ ہے جس طرح بھی ممکن ہو سکے لوگوں کے دلوں سے دینی قوتوں بالخصوص علماء حق پر سے اعتماد اٹھا لیا جائے تاکہ نیو ورلڈ آرڈر کا تباہ کن کھیل آسانی سے کھیلا جا سکے۔ علماء حق اسلامی اقدار' دینی علوم' شرعی قوانین' نفاذ شریعت کی مہم' اسلامی انقلاب اور اسلامی تعلیمات کے پاسبان اور دین و شریعت کے محافظ' چوکیدار اور نگران ہیں دشمن کا پہلا حملہ محافظ اور چوکیدار پر ہوتا ہے تاکہ خزانہ لوٹنے میں مزاحم قوت باقی نہ رہے۔ ہمیں فخر ہے کہ دشمن کی نگاہ میں بھی مولانا سمیع الحق ہی سب سے بڑا کانٹا' نفاذ شریعت کے سب سے بڑے علمبردار اور اسلامی قوانین کے سب سے بڑے محافظ ہیں دشمن انہیں کرش کرنا چاہتے تھے ان کے مشن کو ڈائنا میٹ کرنا چاہتے تھے چنانچہ ممتاز مسلم لیگی رہنما سینیٹر طارق چودھری نے ہفت روزہ "حرمت" راولپنڈی (۲۲ تا ۲۸ نومبر ۱۹۹۱ء) کو اپنے ایک انٹرویو میں علماء حق کی کردار کشی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں بڑی وضاحت سے کہا:

> "مولانا سمیع الحق کے خلاف اس مہم کے پیچھے لازمی طور پر کوئی خفیہ ہاتھ ہے میں نے اسلام آباد کی انتظامیہ کے ایک ذمہ دار سے بات کی تو اس نے کہا بابا! یہ ہم تو نہیں کر رہے یہ تو نیو ورلڈ آرڈر والے کرا رہے ہیں میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ ایک عالم دین ہیں انہوں نے شریعت بل پیش کیا ہے اب نیو ورلڈ آرڈر والے دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ کے مذہبی لوگوں میں یہ منافقت ہے —— ایک آدمی پر اس طرح الزامات لگ رہے ہیں اور وہ بھی شریعت بل کے محرک تو میرے خیال میں اس کی پشت پر ۔
>
> کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سینٹ میں شریعت بل پیش کرنے اور گذشتہ نو' دس سال سے ملک میں نفاذ شریعت کی جنگ لڑنے کے دوران ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جب مولانا سمیع الحق اس ملک کے حکمرانوں اور لادین قوتوں کو معتوب اور ان کی نگاہوں میں مبغوض نہ رہے ہوں برسراقتدار حکمرانوں اور بے دین سیاست

دانوں نے مولانا کے وجود کو ناگوار بلکہ ناقابل برداشت ہی محسوس کیا ہے اور ان کو ناکام کرنے اور ان کے مشن کو ڈائنامیٹ کرنے کے لئے ہر طرح پاپڑ بیل ڈالے ہیں ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کئے اور کرائے گئے نت نئے بہتان لگائے گئے ان کے کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی گئیں حالانکہ وہ کبھی اقتدار کے حریف نہ تھے وہ کبھی اس بات کے طالب نہیں رہے کہ اقتدار دوسروں کے بجائے ان کے ہاتھ میں ہو ان کا مطالبہ ہمیشہ سے یہ رہا اور آج بھی صرف یہی ہے کہ یہ ملک جب اسلام کے نام پر بنا ہے اور اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت جب اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے تو یہاں پوری طرح اسلامی نظام نافذ ہونا چاہئے۔

انہوں نے بارہا کہا اور دل کی گہرائیوں سے علی الاعلان کہا کہ یہ خدمت جو بھی راستبازی کے ساتھ انجام دے خواہ نواز شریف ہی کیوں نہ ہو ہم دل و جان سے ان کی حمایت کریں گے اور اس توقع پر گذشتہ سال بھر ان کی حمایت کرتے بھی رہے اور نفاذ شریعت کے لئے ہر ممکن اصلاح کی کوشش بھی کرتے رہے مگر انہوں نے اقتدار میں شرکت تو درکنار' ان سے کسی اجر کے طلب کی بھی توقع نہیں رکھی۔ مگر یہاں کے حکمرانوں کا رویہ یہ رہا کہ ایک طرف وہ اسلام کے نعرے لگا لگا کر اس ملک کو اسلام سے اور زیادہ دور لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں تو دوسری طرف علماء حق کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھ کر دبانے اور مٹانے کے لئے غلیظ سے غلیظ اور اوچھے سے اوچھے ہتھکنڈے اور رذیل ترین ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔

مگر الحمد للہ! کہ انہوں نے اپنی طرز عمل' جرات' استقامت' شجاعت اور خالص دینی سیاست سے ہر موڑ اور آزمائش کے ہر مرحلے میں خود کو بے کھوٹ اور کھرا ثابت کر دیا اب مخالف طاقتیں چاہے کتنا ہی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کو کھوٹا بنانے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ وہ منہ کی کھائیں گے اور کھا رہے ہیں مولانا حق کے علمبردار ہیں وہ جھوٹ کی یورش کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں گھبرائے جھوٹ طوفان کی طرح اٹھا اور بلبلے کی طرح بیٹھ گیا اور اب بیٹھ جانے کے بعد اس کے اندر چھپے ہوئے جھوٹ' فریب کاریاں' اس طرح منظر عام پر آگئی ہیں کہ دنیا الٹی انہی پر نفرین بھیجتی ہے جنہوں نے جھوٹ تصنیف کیا ہے۔ مولانا ان ایام میں بھی جھوٹ کے مقابلے کی نہیں اپنی سچائی اور اس پر استقامت کی فکر کرتے رہے۔ جب آدمی سچا ہو تو اسے جھوٹ سے نہیں نمٹنا پڑتا بلکہ خداوند تعالیٰ خود اس سے نمٹ لیتے ہیں وہی خدا آج کے جھوٹوں کو بھی اسی طرح عبرت بنا کے رکھ دے گا جس طرح اس سے پہلے وہ زمانے میں جھوٹوں کو عبرت بناتا رہا ہے۔

الحمد للہ ماہنامہ "الحق" اس شمارے سے اپنی زندگی کے ستائیسویں برس میں قدم رکھ رہا ہے خدا تعالیٰ ہی کی توفیق، اس ہی کے انتخاب و عنایت سے گذشتہ چھبیس (۲۶) سال کے صبر آزما اور صعب ترین مراحل میں الحق قوم و ملت کی ذہنی و فکری کامل تربیت اور زبان و ادب علوم و فنون مسلمانوں کی اصلاح و سربلندی، نظام اسلام کے قیام ملکی استحکام، احیاء اسلام، علمی تحقیقات، فرق باطلہ کے تعاقب اور مذہب و سیاست کے تمام میدانوں میں اور ملک و قوم کی اصلاح و ترقی کے تمام کاموں میں رہنمائی کا داعی اور فکر و عمل میں دینی انقلاب اور اسلامی تغیر کا خواہاں اور ساعی رہا ہے جس پر ہم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بسجود اور ہر بن مو سے اس کے شکر گزار ہیں اور اپنے قارئین سے حسب سابق سرپرستی، معاونت اور پرخلوص دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس سلسلہ تبلیغ و اشاعت دین اور ذریعہ اظہار حق و جہاد کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی مفاد پرستی لالچ، دھونس دھمکی، خوف و ہراس اور مداہنت سے محفوظ رکھے۔

(عبد القیوم حقانی)

مولانا عبد القیوم حقانی

وفاقی شرعی عدالت کا عظیم تاریخی فیصلہ

خدا و رسولؐ کے قطعی احکام اور شرعی عدالت کے فیصلہ کے باوجود اجراء سود پر اصرار کیوں؟

وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر جمعرات کے روز سود اور سودی قوانین سے متعلق دائر ۱۲۲ رٹ پٹیشنوں کا تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے ملک کے سودی قوانین کو کالعدم قرار دیا ہے فاضل عدالت نے اپنے فیصلے میں قرار دیا ہے کہ اگر چھ ماہ کی مقررہ مدت میں حکومت نے سود سے متعلق قوانین کو تبدیل نہ کیا تو یہ خود بخود منسوخ ہو جائیں گے۔ فاضل عدالت نے ۳۵۰ صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ میں ملک کے معاشی نظام کو غیر سودی بنیاد پر چلانے کے لئے متعدد تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کے اس عظیم تاریخی فیصلے کے رد عمل میں وفاقی وزیر خزانہ سرتاج عزیز کا بیان اور حکومت کے عزائم بھی اخبارات میں پوری قوم کے سامنے آچکے ہیں حکومت نے سود کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

عدل و انصاف اور نفاذ شریعت کے دعویدار حکمرانوں کا یہ فرض تھا کہ وہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور شرعی فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے مگر وہ نظام شریعت اور نفاذ شریعت کے عملی اقدامات سے جان چھڑانے کے لئے حیلے بہانوں' ٹال مٹول اور سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اپنے بیرونی آقایان ولی نعمت بالخصوص امریکہ کو خوش کرنا چاہتے ہیں جو سودی نظام کا سب سے بڑا محافظ ہے اب وقت ہے کہ حکومت خود کو نفاذ شریعت کے دعووں اور وعدوں میں عملاً سچا ثابت کر دکھائے اور شرعی فیصلہ پر مزید قلابازیاں کھانے کے بجائے ایک سچے مسلمان کی طرح قولاً اس کی حرمت کا اقرار کرتے ہوئے عملاً اس کے تمام شعبوں اور مروج نظام کو ختم کر دے۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

مگر ہمیں تو حکمرانوں کے حوصلوں پر حیرت ہے کہ مسلمان کہلوانے کے باوجود بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ سلم کی طرف سے اعلان جنگ کو تو قبول کر رہے ہیں مگر سودی نظام کے علمبرداروں کا چیلنج قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اب جبکہ حکومت اسلام کا مینڈیٹ لے کر نفاذ شریعت کے نام پر

قائم ہوئی ہے تو اسے ایک سچے مسلمان کی طرح "ادخلوا فی السلم کافتہ" کا مظہر ہونا چاہئے اور اسے یہ حقیقت آغاز کار ہی سے ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام کسی جزوی چیز کا نام نہیں ہے ایک کلی اور جامع نظام ہے جو اسے پورا کا پورا اپنانا چاہئے۔ مغربی تہذیب اور یہودی سوداگروں اور سود خواروں کے جو تفصیلی نظام پاکستان سمیت اسلامی ممالک میں رائج ہیں ان سے گلو خلاصی تب حاصل ہو گی جب اخلاص کے ساتھ اسلامی نظام کی جانب مخلصانہ پیش رفت ہو گی۔

اسلام کا اپنا بذات خود ایک تعاونی نظام ہے ایک اقتصادی نظریہ ہے ایک تجارتی اور تکافلی پروگرام ہے یعنی اسلام ایک لائحہ عمل ہے اخلاص کے ساتھ اگر اسلامی نظام کو اپنا لیا جائے اور پھر اسلامی نظام انشورنس یا نظام بنکاری بنایا جائے تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ پاکستان میں اس سلسلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے علاوہ مختلف پرائیویٹ دینی اداروں کی جانب سے جامع اور مفصل طریقہ کار مرتب کر کے ارباب اقتدار تک پہنچا دیا گیا ہے۔ مگر ہر دور میں اسے سرد خانے میں ڈال دیا جاتا ہے جبکہ اس کے بالمقابل غیر اسلامی نظام اور سودی قوانین پر رضا مندی اور مغربی یہودی نظام پر کاربند رہ کے پوری قوم اور ملک کو یہودی ساہو کاروں کا مقروض بنا دیا گیا ہے اور اب موجودہ حکمران بھی وفاقی شرعی عدالت کے واضح فیصلوں، قطعی ہدایات اور خدا و رسولؐ کے اظہر من الشمس احکام کو بڑے اخلاص کے ساتھ سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے پر بہر صورت مصر ہیں۔ اس مغربی اور یہودی ناسور سے حکمران ملک کے جسم و جان کو آخر کیوں اور کب تک گھائل بنائے رہیں گے۔ جبکہ اسلامی نظام میں بیت المال سارے غریبوں، مصیبت زدوں، بیواؤں، بے نواؤں فقیروں، مسکینوں، طالب علموں، مسافروں اور تمام محروم افراد کی دائمی یا ہنگامی مصیبتیں دور کرنے کا ذمہ دار ہے اس ذمہ داری کو عصر حاضر میں منظم منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھا کر منظم تعاونی نظام بنایا جا سکتا ہے۔ یورپ میں بھی اولاً تعاونی انشورنس تھا بعد میں سود خوروں نے تجارتی انشورنس میں اسے تبدیل کر دیا۔ جہاں تک سود کا معاملہ ہے یہ جس قدر اہم ہے اس قدر صاف ہے نصوص قرآنیہ و نبویہ سے بالکل واضح ہے لیکن جب عقل پر ریسرچ کے پردے پڑ جائیں غلامی کی ذہنیت پختہ ہو جائے اور حلال چیزوں کے بجائے حرام کام مرغوب ہو جائیں تو فتنہ نفس مبشر شیطان کی قوتوں اور فکیری صلاحیتوں سے پوری طرح مدد حاصل کرتا ہے اور الفاظ کے عجیب و غریب پھیر میں پڑ کر سیدھے سادھے اور عام معانی کو بدلنے اور غلط تاویلات کرنے پر ابھارتا ہے یہ سب مغرب کی اندھی تقلید اور یہودی نظام سود کے اثرات ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد بعض کج فہموں اور یہودی سودی ایجنٹوں نے ایک شوشہ یہ بھی چھوڑ دیا ہے کہ بہت زیادہ سود لینا منع ہے لیکن تھوڑا سود لینا منع نہیں ہے اور قرض کے سود اور تجارتی سود میں تفریق کا شاخسانہ بھی اسی نوعیت کی بحثوں میں چھیڑا جا رہا ہے۔ مگر یہ سب انحرافات' خرافات اور لاطائل بحثیں ہیں جنہیں نہ عقل سلیم قبول کرتی ہے نہ علم صحیح اور نہ ایمان مستقیم۔ پھر سود کا یہ بین الاقوامی کاروبار خالص یہود کا بنایا ہوا ہے جس سے افراد و قوم کی خستہ حالی اور دیوالیہ پن مقصود ہے اور بزعم یہود یہ ان کی کتاب مقدس کی پیش گوئی کی صداقت بھی ہے اور قوموں کو سودی کاروبار کے ذریعہ غلام بنانے کی یہ چال گویا نعوذ باللہ خدا نے ان کو سکھائی ہے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

اور تو بہت سی قوموں کو قرض دے گا پر تجھ کو ان سے قرض لینا نہ پڑے گا (استثناء ۱۵ : ۶)

ان الفاظ میں گو سود کا لفظ نہیں ہے لیکن دوسری جگہ یوں ہے۔

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا ..... تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا (استثناء ۲۳ : ۱۹' ۲۰)

اسی طرح کے دوسرے الفاظ بھی ہیں جن کی تشریح بعض تلمود کے حاخامات نے یہ کی ہے کہ ان الفاظ میں حضرت موسیٰؑ نے سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ اجنبی (غیر یہودی) کو قرض سود پر ہی دیا جائے تاکہ وہ برباد ہو اور اس لئے شریعت تلمود میں اجنبی کو بغیر سود کے قرض دینا ناجائز اور حرام ہے اس سلسلہ میں حاخام شواب کا قول یہ ہے ——— اس نے بعد میں یہودی دین ترک کر دیا تھا ——— کہ اگر کسی مسیحی (غیر یہودی) کو کچھ پیسے کی ضرورت ہو تو یہودی کو چاہئے کہ اس کے ساتھ بار بار سود کا معاملہ کرے حتیٰ کہ وہ اس کو ادا نہ کر سکے اور اسی وجہ سے قدیم مسیحی افکار اور ڈکشنریوں اور ادب میں یہود سے مراد سود خوار اور خیانت کار ہیں بہرحال سود ایک ایسی لعنت ہے جسے اسلامی معاشرہ سے قطعاً ختم ہونا چاہئے اور اب وفاقی شرعی عدالت نے اس کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے لہذا اس فیصلہ کے ردعمل میں حکومت پاکستان کو کم از کم فوری طور پر داخلی سود کو تو ختم کر دینا چاہئے۔

سود کے متعدد طریقے مروج ہیں جو تمام استحصالی نظام کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً ایک وہ سود ہے جو ساہو کار کسی مجبور اور حاجت مند کو قرض دے کر وصول کرتا ہے اس قسم کا سود اخوت' محبت' ہمدردی رحم اور احسان کا قاتل ہے اس لئے اسلام کے علاوہ یہودیت (محرف) میں اپنوں سے اور مسیحیت میں مطلقاً اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا وہ سود ہے جو موجودہ دور میں بینک کسی تاجر کو

قرض دے کر وصول کرتا ہے یہ درست ہے کہ اگر تاجر اس سے نفع کمائے تو بینک کو بھی اس نفع میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے لیکن اگر تاجر کو خسارہ ہو جائے تو بینک رحم نہیں کرتا اور سارا قرض مع معین فی صد سود قانون کے ڈنڈے سے وصول کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ اقدام غیر انسانی اور غیر اسلامی ہے یہ الگ بات ہے کہ اگر بینک تاجر کے ساتھ نفع نقصان دونوں میں برابر کا شریک ہو تو پھر نفع کی صورت میں اسے کچھ لینے کا حق ہے ورنہ نہیں تیسرا وہ سود جو موجودہ دور میں ایک قوم یا ایک ملک دوسری قوم یا ملک کو قرض دے کر وصول کرتا ہے اس سے مقروض قوم کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے حکومت اس قرض کو ادا کرنے کے لئے قوم پر بھاری ٹیکس لگاتی ہے مگر مشاہداتی اور واقعاتی تجربہ یہ ہے کہ بات اس سے بھی نہیں بنتی اور قرض خواہ مقروض کی کسی کان، کسی صنعت یا دیگر وسائل دولت پر قابض ہو جاتا ہے۔ نہر سویز پر فرانس اور برطانیہ کا قبضہ اسی طرح ہوا تھا کہ پہلے ان مکاروں نے خدیو مصر کو قرض دیا اس سے سڑکیں، ہوٹل اور اس نوع کے بے مقصد چیزیں تیار کرائیں جب اس کا خزانہ خالی ہو گیا تو مطالبہ قرض شروع کر دیا۔ وہ کہاں سے دیتا' چنانچہ ان اقوام نے سویز پر قبضہ کر لیا۔ جسے بعد میں صدر ناصر نے ۱۹۵۶ء کی خوفناک جنگ کے بعد آزاد کرایا۔

بدقسمتی سے پاکستان بھی قرض خواہی اور یورپی اقوام کی احسان مندی کی راہ پر چل پڑا ہے یورپی اقوام سے قرض لینا اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنا ہے اس سے ملک اور قوم کی آزادی ضمیر ختم ہو جاتی ہے۔ ملک میں بے روزگاری اور کساد بازاری پھیل جاتی ہے بے چینی اور اضطراب بڑھ جاتا ہے ایسی قوم جتنی بھی صنعتیں لگائے پیداوار میں جتنا بھی اضافہ کرے وہ سب سود اور قرض کی نذر ہو جاتا ہے۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ مقروض قرض ادا کرے تو ملک تباہ ہو جاتا ہے نہ ادا کرے تو جنگ چھڑ جاتی ہے۔

موجودہ دور میں سود کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ بینک امانتوں پر بھی سود دے دیتا ہے مگر یاد رہے کہ بینک مقروض سے بہر صورت قرض وصول کرتا ہے مثلاً ایک غریب تاجر نے مال کی بلٹی چھڑانے کے لئے بینک سے پانچ ہزار روپیہ قرض لیا باہر آتے ہی کوئی اچکا اس سے وہ رقم چھین کے لے بھاگا۔ یا اس کی دکان جل گئی یا جنس کا نرخ گر گیا یا اسے بھاری نقصان ہوا ان ساری صورتوں میں بینک کو مقروض سے کوئی ہمدردی نہیں اور قرض کا وارنٹ لے کر اس کی بیوی کی بالیاں تک اتار لیگا۔ پھر ظاہر ہے کہ امانتوں پر بینک جو سود دیتا ہے اس میں اس غریب کی پونجی بھی تو شامل ہو گی کیا ایسا مال' ایک خدا ترس مسلمان کے لئے جائز ہے۔

سود خور کے پاس سالانہ ایک کثیر رقم ہاتھ ہلائے، قدم اٹھائے اور دماغ کو تکلیف دیئے بغیر جمع ہو جاتی ہے جس سے آدمی کاہل، حریص، پیٹو، ذلیل، قبیح اور فربہ ہو جاتا ہے ایسے ہی حریص اور کاہل ساہو کاروں کا نام آج کی اصطلاح میں بینک ہے ذرا بینک مالکان سے پوچھئے کہ بے پناہ دولت اور کثرت مال کے باوجود زندگی کے کیا احوال ہیں؟ آخر قرآن کا جو ارشاد ہوا:

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس	جو لوگ کھاتے ہیں سود، نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جسطرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جسکے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ایسے لوگ دیکھے جن کے پیٹ پھول پھول کر کپے بن چکے تھے اور اندر سب کچھ نظر آ رہا تھا۔

حضور نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا، سود خور

- سود کے اظہر من الشمس نقصانات ہیں سود کے ذریعہ قوم کا سرمایہ چند سود خواروں یا سود خوار اداروں کے پاس چلا جاتا ہے اس کا اندازہ افراد کے سود میں تو صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے اب کے جدید دور میں غیر ترقی یافتہ ملک جب سودی قرض لیتے ہیں تو ان کی ادائیگی کی صورت میں جن مالی اور اقتصادی پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں یہ واضح قطعی اور واقعاتی دلیل ہے کہ سود بہر صورت نقصان دہ ہے۔
- آیت ربانی سے کئی بلاغی اور ادبی طریقوں سے سود کی قطعی حرمت پر توجیہات بہر صورت ناقابل تردید ہیں۔
- سود میں اضطراب، پریشانی، فکری ناآسودگی اور ذہنی و عقلی خلجان ہوتا ہے جس کی تعبیر قرآن میں مَسِ شیطانی سے کی گئی ہے۔
- سود خوار ہمیشہ یہ کہتے ہیں سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ سود حرام ہے اور تجارت حلال ہے جو موعظت و ممانعت کے بعد بھی سود سے باز نہ آئے اسے عذاب کی وعید ہے۔
- سود کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے وہ بہر صورت مٹ جاتا ہے۔
- سود خوروں کو کفر کے صیغہ مبالغہ کفار اور اثیم سے خطاب کیا گیا ہے پھر آیت ربانی میں ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سود ایمان کے منافی ہے اور عمل غیر صالح ہے۔

- نماز اور زکوۃ کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح یہ دین میں معلوم بالضرورۃ اور سب سے افضل فرائض ہیں اسی طرح سود بھی معلوم بالضرورۃ اور قبیح ترین فعل ہے۔
- جس طرح اطاعت گزاروں کو خوف اور غم سے واسطہ نہ ہو گا اس کے برخلاف سود خور دنیا اور آخرت میں خوف اور غم کا شکار ہونگے۔
- تقویٰ کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ سود خوری چھوڑ دے اور جو سود نہ چھوڑے وہ خدا اور رسولؐ سے لڑائی مول لیتا ہے۔
- قدیم سود کے لئے توبہ کی شرط یہی ہے کہ سود نہ لیا جائے اور صرف راس المال واپس لیا جائے۔
- جس طرح راس المال واپس نہ کرنا ظلم ہے اسی طرح سود لینا بھی ظلم ہے۔

بہرحال یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ

○ سود خوار اور اس کی اولاد میں سعی و عمل کی تحریک باقی نہیں رہتی ○ افراط دولت عیاش اور بدقماش بنا دیتی ہے ○ اس سے عوام کی دولت گھٹتی اور چند افراد کی بے محنت و عمل بڑھتی ہے ○ سود خور دوسرے کے احتیاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے ○ سود قاطع احسان و انسانیت ہے ○ سود خور لالچی خود غرض سنگدل اور غریب دشمن بن جاتا ہے ○ معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ حرص و طمع اور لالچ و دنیا پرستی اس کی تمام مساعی کا ہدف بن جاتا ہے ○ وہ دنیا دار بھی ہوتا ہے اور دنیا کا چوکیدار بھی۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ

غیر اسلامی ممالک میں قضا کا طریقہ کار

قضا اسلامی تشخص کی تکمیل کا ایک اہم حصہ ہے جس کے بغیر اسلامی زندگی ناقص اور ادھوری ہے۔ نظام قضا کے ذریعہ محاسبہ اور مواخذہ کی اس اہم دفعہ کی آبیاری ہوتی ہے جس پر اسلامی زندگی کی بنیاد قائم ہے۔ اگر انسان کے انفرادی یا اجتماعی افعال پر اپنی یا کسی قابلِ تعظیم شخصیت کی نظر نہ ہو یا اس کو آزاد چھوڑ کر اس کے کیے ہوئے افعال پر کوئی باز پرس نہ ہو تو اس سے قوتِ بہیمی کو حوصلہ افزائی کا ایسا موقع مل سکتا ہے جس سے انسانی اقدار مجروح ہوں۔

اسلام کے نظام قضاء و قانون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قضا صرف ایک معاشرتی ضرورت نہیں جس کی حاجت اجتماعی معاشرہ میں محسوس ہو بلکہ یہ مسلمانوں کا ایسا دینی اور مذہبی فریضہ ہے جس کی ضرورت قدم بقدم محسوس ہوتی ہے۔ قضا دیگر عبادات کی طرح مستقل عبادت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھنا مجھے ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ علماء یہ تقرب الٰہی کا ایک ذریعہ متصور کرتے ہیں۔

قال بعضهم القضاء امر من امور الدين ومصلحة من مصالح المسلمين تجب العناية به لان بالناس اليه حاجة عظيمة وهو من انواع القربات الى الله عزّ وجلّ ولذا تولاه الانبياء عليهم السلام ۔ (الفقہ الاسلامی وادلہ جلد ۶ صـ۴۷)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ قضا دین کے امور میں سے (ایک اہم) امر ہے اور مسلمانوں کی بہتری کا ایک شعبہ ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہ ذمہ دار قبول کی۔

اِس لیے اسلامی معاشرہ میں انفرادی اور اجتماعی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی رعایت ضروری ہے۔ اس کی ادائیگی کے بغیر مسلمان مسئولیت کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

نظام قضاء کیلئے قوتِ تنفیذی کی ضرورت | ایسی صورت میں نظام قضا کا نفاذ اور اجراء کسی ولایتِ عامہ یا قوتِ تنفیذی کے وجود پر موقوف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحکیم (پنچایت) یعنی کسی ثالث کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینا نظام قضاء کا ایک شعبہ ہے۔ اس میں اگرچہ حکم یعنی ثالث کی ولایت ناقص ہو کر صرف طرفین تک محدود رہتی ہے۔ اُس

میں بھی طرفین فیصلہ کرنے سے قبل بغیر کوئی وجہ بتائے رجوع کا حق قضاءً محفوظ رکھتے ہیں لیکن ایک دفعہ ثالث کا فیصلہ جب صادر ہو تو یہ مستقل قضاء بن کر کسی دوسرے اعلیٰ قاضی کی عدالت میں مرافعہ کے وقت کسی خاص ضرورت کے بغیر اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتا، طرفین حسب معاہدہ اس فیصلہ کے پابند رہیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نظام قضاء جزوی طور پر کسی قوت اور طاقت کے استعمال پر موقوف نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شر القرون کے ان ادوار میں انسان طبعی حرص و لالچ کی وجہ سے کسی دوسرے کے حق کی ادائیگی کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا اور اپنا حق منوانے کے لیے جملہ وسائل بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس لیے نظام قضاء کے مثبت نتائج کے مشاہدہ کے لیے قوتِ تنفیذی کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ کی برکت سے شرعی فیصلہ کا تقدس اور عظمت بحال رہ سکے۔

غیر اسلامی علاقوں میں نظام قضاء کے چند نظائر

مسلمان ممالک کی طرح غیر اسلامی ممالک میں بھی جہاں پر کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت میں رہ رہے ہوں، مسلمان اپنا مذہبی تشخص باقی رکھنے کے پابند ہیں۔ جیسا کہ عبادات سے مسلمان بری الذمہ نہیں ہو سکتے، ایسا ہی حسب طاقت مسلمان اپنے مسائل اسلامی طرزِ حیات میں طے کرنے کے پابند ہوں گے ۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (سورۃ النساء ۶۵)	پس تیرے ربّ کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم کو منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

مکی زندگی کے جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو یہاں پر غلبہ حاصل نہیں تھا بلکہ اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے تھے، لیکن اس کے باوجود مسلمان اپنے فیصلے اپنے درمیان کرتے تھے، کسی غیر اسلامی فیصلہ کرنے والے کے پاس جانے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔

ایسا ہی مدنی زندگی میں اگرچہ خاص علاقوں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا لیکن جو علاقے مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھے وہاں کے کچھ باشندے جب اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہو جاتے تو اپنے فیصلے باہمی مشورہ سے طے کرتے۔

فقہی جزئیات کی تائید

فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ جہاں کہیں کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت میں رہ رہے ہوں تو مسلمان باہمی منازعات طے کرکے اس کے فیصلہ کرنے کے لیے اپنے کسی مسلمان قاضی کی تقرری کے پابند رہیں گے۔ علامہ کمال ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔

هٰذا اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز	یہ حکم اس وقت ہے جہاں کہیں حاکم نہ ہو اور یا کسی فر

منہ کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبہ فی المغرب الآن وبلنسیہ وبلاد الحبشہ واقروا المسلمین عندھم علی مال یؤخذ منہم یجب علیہم ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ھو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا لہم اماما یصلی بہم الجمعۃ۔ (فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۶۵)

سے قضاء قبول کرنے کی کوئی صورت نہ ہو جیسا کہ بعض مغربی اور حبشہ کے ممالک میں ہے، تو جب مسلمان باقاعدہ مال کی ادائیگی کے معاہدہ پر رہ رہے ہوں ان پر ضروری ہے کہ اپنے درمیان کسی ایک پر اتفاق کر کے اس کو قاضی مقرر کریں جو ان کے درمیان فیصلے کرے اور ان کے لیے امام مقرر کرے تاکہ ان کو جمعہ (و عیدین) پڑھائے۔

مسلمانوں کے اتفاق سے قاضی کی تقرری

ایسی حالت میں اگر مسلمان باہمی اتفاق سے کسی ایک معتمد شخص کو اپنا قاضی مقرر کریں تو اس کی حیثیت قاضی کی ہو گی، مسلمان اس کے فیصلہ کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ رویت ہلال سے صوم و افطار میں اس کا فیصلہ نافذ ہو گا، جمعہ و عیدین دیگر شرائط کی رعایت کے بعد اس کی موجودگی میں ادا ہوں گے۔ شیخ بدرالدین محمود بن اسمٰعیل الشہیر بابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں:۔

واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴)

وہ علاقے جہاں پہ کفار کا غلبہ ہو تو مسلمانوں کے لیے جمعہ و عیدین کا پڑھنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی باقاعدہ قاضی ہو گا۔

علاؤالدین اس کی مزید اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ولو فقد وال لغلبہ کفار وجب علی المسلمین تعیین وال۔ (الدر المختار علی ھامش رد المختار ج ۴ ص ۳۰۸)

اگر کفار کے غلبہ سے کہیں مسلمان ولایت عامہ سے محروم رہیں پھر بھی اپنے لیے والی کی تقرری ان پر ضروری ہے۔

موجودہ وقت میں غیر اسلامی ممالک میں قضاء کی چند صورتیں

آج کل جہاں دنیا مذہب و عقیدہ، رنگ و نسل یا سوچ و فکر کے حوالہ سے منقسم ہے، عام محاورہ میں جسے جمہوری دور کہا جاتا ہے، اس میں جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کر رہے ہیں تو اپنے جملہ وسائل بروئے کار لا کر اس ملک میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے ہر مسلمان باشندہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں بلکہ کسی غیر اسلامی نظام حیات کے تابع ہوں تو ان ممالک میں بھی بقدر استطاعت مسلمان اپنے مذہبی اقدار کی رعایت کرنے کے پابند ہوں گے۔ عقائد و اعمال کی درستگی اور اسلامی طرز حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا تو انفرادی معاملہ ہے جس میں ان کا کوئی عذر قابل سماع نہیں، خاص کر جن ممالک میں مذہبی آزادی ہو۔ لیکن باہمی جھگڑے اسلام کی روشنی میں طے کرنے کی بظاہر دو صورتیں نظر آتی ہیں:۔

پہلی صورت پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان اگر کہیں اجتماعی طور پہ اس نظام کے قیام سے عاجز ہوں

تو خود مذہبی جذبہ کی روشنی میں انفرادی طور پر اپنے معاملات قرآن وحدیث کی روشنی میں طے کریں۔ ایسی صورت میں کسی غیر اسلامی حکومت کے لیے کسی قسم کی قانونی پیچیدگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی مروجہ قوانین تک نوبت پہنچنے سے قبل ہی مسلمان اپنے معاملات خود کسی ایسے عالم کے ذریعہ طے کریں جس میں اسلام کی روشنی میں طے کرنے کی اہلیت ہو۔ اس میں کسی فعال اسلامی تنظیم کو بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے کہ وہ تنظیم خود مسلمانوں کے معاملات فیصلے کرانے کا انتظام کرے یا کسی اور کے ذریعہ کرانے کا بندوبست کرے۔

انفرادی طریقہ کار کی کمزوریاں | اس طریقہ کار سے اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن پھر بھی اس کا دائرہ بہت محدود ہوگا۔ کیونکہ اس کی حیثیت "تحکیم" کے سوا اور کچھ نہیں اور "تحکیم" کا دائرہ بہت محدود ہے ــــ علاوہ ازیں ایسی صورت میں سیاسی طور پر مسلمانوں کے لیے کئی مشکلات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اوّلاً یہ کہ مسلمانوں کے پاس ایسے نظام کی تنفیذ کے لیے جب کسی مروّجہ قانون کا سہارا نہ ہو تو محض دینی جذبہ سے اس کے تابع رہنے کے نتائج بہت کم سامنے آئیں گے۔ انسان طبعی طور پر نقصان برداشت کرنے یا کسی معاملہ میں ہار ماننے کیلئے آسانی سے تیار نہیں ہوتا۔ عین ممکن ہے کہ کسی مسلمان کو اگر شرعی فیصلہ میں اپنا نقصان نظر آئے تو وہ کسی مسلمان فیصلہ کنندہ کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا بلکہ متبادل ذرائع تلاش کر کے رائج الوقت قانون میں اپنا سہارا ڈھونڈے گا۔ علاوہ ازیں شرعی طور پر بھی "محکم" کا اختیار چند مسائل تک محدود ہے۔ قصاص و دیت اور حدود جیسے مسائل نمٹانے کی اہلیت "محکم" میں نہیں ـــــ اور کہیں کسی فعال تنظیم یا دینی درد رکھنے والے مسلمانوں کی مساعی سے یہ نظام کامیابی سے ہمکنار ہو اور اس کے اچھے نتائج محسوس ہوں تو یہ مسلمانوں کے سیاسی استحکام کی دلیل ہوگی اور اس سے رائج الوقت حکومت اپنے لیے مستقبل میں خطرہ محسوس کرے گی، ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اس باہمی تعاون کی وجہ سے بعض علاقوں میں مسلمان اس درجہ میں منظم ہوں کہ ان کے پاس معاشرتی میدان میں عملی طور پر قوّت تنفیذی حاصل ہو اور مسلمان جبری طور پر اسلامی فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔ یہ صورت اگرچہ بذاتِ خود بہت اچھے نتائج کی حامل ہے لیکن سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی سرگرمیاں اس سے متاثر ہو سکتی ہیں جس سے غیر اسلامی اقتدارِ اعلیٰ ایسی کامیابی میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرے گا۔

دوسری صورت | ایسے غیر اسلامی ممالک میں مسلمان اپنی ذمہ داری ایک دوسرے طریقہ سے نباہ سکتے ہیں کہ مسلمان اسلامی نظام قضاء کے تحفظ کے لیے رائج الوقت قوانین کا سہارا لیں۔ اور موجودہ وقت میں شخصی قوانین کے تحت قابلِ عمل بھی ہے۔ اس لیے اگر مسلمان محنت کر کے سیاسی میدان میں اتنا مقام پیدا کریں کہ حکومتِ وقت سے اپنے حقوق منوا سکیں۔ مسلمان ایسے قوانین کے بنانے پر زور دیں کہ رائج الوقت قوانین میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے، یعنی جو مسلمان ہوگا وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ ممکن ہے کہ

اقتدار اعلیٰ ہر مسئلہ میں ایسے فیصلہ کرنے کی اجازت نہ دے، لیکن بعض امور میں یہ حق ملنا بھی مسلمانوں کیلئے موقعہ غنیمت سے کم نہیں، کیونکہ مالا یدرك کله لا یترك کله کے قاعدہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو کچھ بھی ہو سکے اس سے روگردانی اور اعراض نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں علاقائی تحدید کی طرح اگر بعض مسائل تک قاضی کا دائرۂ اختیار محدود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نظامِ قضا میں اس کی گنجائش ہے کہ کسی قاضی کا دائرۂ اختیار ایام یا احکام کے اعتبار سے محدود ہو۔ چنانچہ علامہ "الماوردیؒ" المتوفی ۴۵۰ھ فرماتے ہیں:۔

ویجوزان تکون ولایة القاضی مقصورة علی حکومة بینهما بین خصمین ولا یجوزان ینفذ النظر الی غیرهما من الخصوم وتکون ولایته علی النظر بینهما باقیة ماکان التشاجر بینهما باقیاً فاذابت الحکم بینهما زالت ولایته..... فلولم یعین الخصوم وجعل النظر مقصوراً علی الایام وقال قلدتك النظر بین الخصوم فی یوم السبت وحده جاز نظرہ فیه بین الخصوم فی جمیع الاعاوی۔ (الاحکام السلطانیه والولایات ص ۷۳)

یہ جائز ہے کہ کسی قاضی کا دائرہ اختیار کسی خاص افراد کے فیصلہ تک محدود ہو تو ان کے علاوہ دوسروں پر اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں، ان مخصوص افراد کے درمیان جب تک یہ معاملہ باقی ہو تو قاضی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے جب ان کا فیصلہ ہو جائے تو اس کا اختیار ختم ہو گا...... اگر طرفین کا تعین نہ ہو بلکہ خاص ایام میں اس کو فیصلہ کا اختیار دیا جائے۔ مثلاً تجھے ہفتہ کے دن فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، تو ہفتہ کے دن جملہ فیصلوں کا اختیار اس کو حاصل ہوگا۔

غیر اسلامی حکومت سے عہدہ قضا قبول کرنے کی شرعی حیثیت

اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی غیر اسلامی حکومت سے عہدۂ قضا کا قبول کرنا کہاں تک جائز ہے حالانکہ اس میں غیر اسلامی حکومت کو دوام بخشنے اور اس سے تعاون کی ایک صورت ہے جو تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کسی مذہبی عقیدہ اور تشخص کے مجروح ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں ایسے عہدے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں کہیں مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، تو اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کرکے شرکت کر سکتے ہیں اور کسی غیر اسلامی قانون کے ذریعہ جب اسلامی قضاء کو دوام بخشا جائے تو ایسے قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں واجب العمل ہوگا۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

ولکن اذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته بلاشبه۔ (رد المختار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۴ ص ۳۰۸)

اگر کسی کافر نے مسلمانوں کیلئے ان کی مرضی کے مطابق قاضی مقرر کیا تو یہ اس کی تولیت بلاشبہ جائز ہے۔

ایسا قاضی مسلمانوں کے لیے جملہ وہ امور جاری کر سکتا ہے جو دارالاسلام میں ایک قاضی کے دائرہ اختیار میں ہو۔ چنانچہ شیخ بدرالدینؒ فرماتے ہیں۔

وکل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم (جامع الفصولین ج۱ ص۱۴)

وہ علاقہ جس میں کسی کافر بادشاہ کی طرف سے مسلمان گورنر ہو تو اس میں جمعہ وعیدین کی اقامت، خراج قضاء کی تقرری اور یتیم بچیوں کی شادی کرانے کا حق حاصل ہے کیونکہ ان پر مقامی طور پر مسلمان کی حکومت ہے۔

بہرحال کفار کے غلبہ کے وقت ان کی قوت تسلیم کرنا شریعت میں ناجائز نہیں، لیکن اگر مسلمانوں کے ترک موالات سے کہیں کافرانہ نظام حکومت متزلزل ہو کر اپنی زندگی پوری کرنے کی حالت میں ہو تو پھر کفر کی ڈوبی ہوئی کشتی کو سہارا دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، ایسی حالت میں یہ کشتی کسی سنجیدہ اور باوفا ملاح کے حوالہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ ان کی بہتری کے بارے میں سوچ سکے۔

انصاف کی رعایت نہ ہونے کے وقت عہدۂ قضا قبول کرنا جائز نہیں

لیکن ایسے غیر اسلامی ممالک میں یہ طریقہ اپنانا اُس وقت مخص ہے جب تک حکومت وقت ان کے مذہبی معاملات میں کوئی دخل نہیں رکھتی ہو اگر کہیں ایسی حالت میں مسلمان انصاف قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو پھر ظلم وستم کے لیے آلۂ کار نہیں بننا چاہیئے، ورنہ اپنا مذہبی تشخص ضائع کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں:۔

ما ذکر المصنف من جواز التقلید من الجائر مقید بما اذا کان یمکنہ من القضاء بالحق اما اذا لم یمکنہ فلا کما فی الھدایۃ لان المقصود لا یحصل بہ۔ (بحر الرائق ج ۶ ص۲۷۰)

مصنفؒ نے ظالم سے قضاء قبول کرنے کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، یہ اُس وقت ہے جب قاضی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہو، جب یہ ممکن نہ ہو تو پھر قضاء قبول کرنا جائز نہیں جیسا کہ ھدایہ میں ہے کیونکہ ایسی صورت میں مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

اعتذار

ہمیں افسوس ہے کہ ماہنامہ "الحق" کی طباعت میں تاخیر سے قارئین کو شدت سے انتظار کی زحمت ہوئی، دراصل گذشتہ ماہ سے "الحق" کے کاتب کی شدید علالت کی وجہ سے پرچہ کی کتابت کا مرحلہ خاصہ پریشان کن رہا، پھر اکوڑہ خٹک کوئی ایسا مرکزی شہر بھی نہیں جہاں کاتب دستیاب ہوں یا کمپیوٹر کی سہولت میسر ہو۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ حسب سابق ادارہ کی مجبوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس غیر ارادی تساہل کو محسوس نہ فرمادیں، ادارہ اس پر اپنے تمام قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

پاکستان آرمی میں
جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ خطیبوں کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے
کے لئے مطلوبہ قابلیت کے حامل حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں

مطلوبہ قابلیت: الف: افواج پاکستان کے لیے منظور شدہ دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فراغت کی سند
ب: پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک کی سند
ج: روزمرہ امور کے متعلق عربی بول چال میں مہارت، قرأت اور حفظ اضافی قابلیت تصور کی جائیگی۔

عمر: یکم مارچ ۱۹۹۲ء کو بیس سال سے کم اور ۳۵ سال سے زیادہ نہ ہو۔

عہدہ اور تنخواہ: ملازمت کے لیے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب نائب صوبیدار کا عہدہ دیا جائے گا۔ فوجی وردی کی بجائے مخصوص طرز کا شہری لباس جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائے گا۔ فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسروں کی طرح اوپر والے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی۔

الاؤنسز و دیگر مراعات: وہ تمام الاؤنسز و مراعات جو فوج کے دیگر متقابل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں انہیں بھی حاصل ہوں گی۔ مثلاً ذات کے لیے مفت رہائش (جہاں ممکن ہو) ورنہ کوارٹر الاؤنس، اپنے اور زیر کفالت افراد کے لیے مفت طبی سہولت، سفری مراعات، پنشن، گریجویٹی اور تعلیمی مراعات وغیرہ وغیرہ۔

ملازمت کی جگہ: پاکستان یا پاکستان سے باہر کہیں بھی۔

تربیت: منتخب امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر خاص تربیت دی جائے گی۔

طریق انتخاب: الف: مختلف مقامات پر ابتدائی تحریری امتحان۔
ب: انٹرویو۔
ج: طبی معائنہ۔

درخواستیں مجوزہ فارم پر اصل اسناد کی تصدیق شدہ نقول کے ہمراہ شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ آئی جی ٹی اینڈ ای برانچ جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی ۵ نومبر ۱۹۹۱ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

درخواستوں کے فارم مذکورہ شعبہ دینی تعلیمات سے ایک روپیہ کا جوابی ڈاک لفافہ بھیج کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ نیز مذکورہ بالا فارم فوجی بھرتی کے دفاتر اور افواج پاکستان کے لئے منظور شدہ دینی مدارس سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں۔

پاکستان آرمی

PID (I)

MPL

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

۲

اسلام میں سماجی اور طبی خدمات کا تصور

سماجی خدمات میں مریضوں کا علاج و معالجہ اور طبی خدمات بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اگر ایک ڈاکٹر خلوصِ نیت کے ساتھ کسی مریض کا علاج کرے اور وہ صحتیاب ہو جائے تو اس ڈاکٹر کے لیے یہ عمل ایسا ہے جیسا کہ اس نے پوری دُنیا کے انسانوں کو زندگی دی، اور اگر اس ڈاکٹر کی غفلت، کام چوری، سستی، غلط تشخیص یا غلط دوائی تجویز کرنے سے کوئی مریض مر جاتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے پوری دنیا کے انسانوں کی جان لی ــــــ ارشادِ ربانی ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا[1] (ترجمہ) "جس کسی نے کسی دوسرے شخص کو قتل کیا اور اس مقتول نے نہ کسی کو قتل کیا تھا اور نہ زمین میں فساد برپا کیا تھا تو اس شخص نے گویا کہ پوری دنیا کے انسانوں کو قتل کیا اور جس کسی نے کسی انسان کو زندگی دی اس نے گویا پوری دنیا کے انسانوں کو زندگی دی"۔

اس آیت کی روشنی میں کتنے خوش قسمت ہیں وہ ڈاکٹر جو اپنے کام میں عبادت کی نیت سے دلچسپی لیتے ہیں مریض کی تشخیص اچھی کرتا ہے اور دوائی بھی صحیح تجویز کرتا ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کے لیے اس عمل سے اور بڑی عبادت اور سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک مریض کی بیماری کے خلاف جہاد کرنا اور اس جہاد میں فتح حاصل کرنا پوری انسانیت کو زندگی دینے کے مترادف ہے، اسی میں تو دارین کی فلاح ہے۔

اسی طرح اگر ایک ڈاکٹر مریض کی خدمت میں مصروف کار رہے، مریض غریب ہو اور وہ اس کو مفت دوائی مہیا کرے یا کوئی اور خدمت انجام دے یا اس کی کوئی اور ضرورت پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتیں پوری کرے گا۔ حدیث شریف پہلے گذر چکی ہے مفہوم دوبارہ لکھا جاتا ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کریگا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو کوئی بندۂ خدا کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا[2]۔

مطلب یہ ہوا کہ کسی مریض کی خدمت کرنا یا اس کے ساتھ بھلائی کرنا یا مدد کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مدد

---

[1] قرآن کریم ۵ : ۳۲ [2] بخاری، کتاب المظالم / ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الستر علی المسلم / ابوداؤد، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الستر علی المسلمین۔

کرنا ہے۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت درحقیقت اللہ کے ساتھ محبت ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو خوش دل اور پیار کے ساتھ ایک گولی بھی دے، گپ شپ لگانے اور ٹیلیفون پر فضول باتیں کرنے کی بجائے مریضوں کی خدمت میں اپنے آپ کو مصروف رکھے، اس کی تکلیف اور درد دُور کرنے میں مدد دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دردوں اور تکالیف کو کم کر دیں گے ——— حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق جس کسی نے کسی مریض کا دُکھ اور درد کم کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دُکھ اور درد کم کر دے گا۔ اگر کسی ڈاکٹر نے تکلیف کی گھڑیوں میں کسی مریض کو دوائی دی اور اس دوائی کی وجہ سے اس کی تکلیف کم ہوئی یا ختم ہوئی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی سختی اور تکلیف کم یا ختم کر دے گا۔

طبی امداد اور علاج و معالجہ اسلام میں اس لیے ضروری ہے کہ صحت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ایک سماجی خدمت بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الصحة والفراغة نعمتان من نعم الله [1]
(ترجمہ) "صحت اور فراغت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ہیں"

بدقسمتی سے ان دونوں نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان نعمتوں کو دوام حاصل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے ——— ایک حدیث شریف کی رُو سے صحت بیماری سے پہلے اور فراغت مشغول ہونے سے پہلے غنیمت شمار کرنے چاہئیں۔ ان دونوں کے لیے صحیح مصرف ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صحت کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: سلِ اللهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ [2]۔
(ترجمہ) "دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ سے اچھی صحت اور عافیت کی دعا مانگا کرو۔"

صحت کو قائم رکھنے کے لیے اگر ایک طرف علاج و معالجہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف ایسے اقدامات کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے جن سے بیماریاں سرے سے شروع ہی نہ ہوں اور ان کا تدارک ہو۔ بیماریوں کا تدارک کرنے پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور اس کا ایک اہم ذریعہ صفائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گندگی اور غلاظت بیماریوں کے بنیادی اسباب میں سے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، فرماتے ہیں:—
خمس من الفطرة: الختان والاستحداد وتقليم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب [3]
(ترجمہ) "پانچ کام انسان کی فطرت کے مطابق ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال ہٹانا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال لینا اور مونچھوں کے بال لینا"

صحت کو قائم رکھنے کے لیے شریعت نے صفائی کے مزید چند اصول بتا دیئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] زاد المعاد بحوالہ طب نبوی، حافظ نذر احمد لاہور اشاعت ہشتم ص ۱۸ [2] مسند احمد بن حنبل ۱: ۲۰۹/ ایضاً ابن ماجہ، باب الدعاء بالعفو والعافیۃ [3] بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب و باب تقلیم الاظفار

ارشاد ہے: (۱) غطوا الاناء۔ برتنوں کو ڈھانپے رکھا کرو (۲) واوکیوا السقاء۔ مشکیزے، صراحی وغیرہ کے منہ بند رکھا کرو۔ (۳) واغلقوا الابواب۔ دروازوں کو بند کر لیا کرو۔ (۴) واطفئوا السراج [1] دیئوں اور لالٹینوں کو بجھا دیا کرو۔

منہ کی صفائی پر بھی اسلام نے بہت زور دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ طیّبوھا بالسّواک [2] اپنے منہ مسواک سے صاف کر لیا کرو۔ اَلسّواکُ مَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ [3] مسواک منہ کو صاف کرتا ہے۔

اسی طرح صاف کپڑے پہننا، جسم کو صاف رکھنا، وضو کرنا، غسل کرنا، دانتوں سے خوراک کے ریزے نکالنا، کم کھانا، اچھا کھانا، جگہ کو صاف رکھنا۔ یہ سب امور بیماریوں کے تدارک کے لیے ضروری ہیں۔

یہ حقیقت بھی سامنے رکھنے کی ہے کہ بیماری کا آنا کوئی گناہ یا عیب کی بات نہیں ہے، اس کے ذریعے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے تو دوسری طرف اسکے صبر کا جائزہ بھی لیتا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ [4] (ترجمہ) "ہم آپ کو ضرور بالضرور، خوف، بھوک، مالوں میں کمی، بیماری اور موت اور پھلوں میں کمی سے آزمائیں گے، پس خوشخبری دو اُن لوگوں کو جن کو اگر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ بیٹھتے ہیں کہ ہم بھی اللہ کے ہیں اور اُسی ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

اسلام نے بیماری کو گناہوں کا کفّارہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَیُکَفِّرُ عن المؤمن خطایاہ کلّھا بحمّٰی لیلۃٍ [5] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ ایک رات کے بخار سے مومن کے سارے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔"

ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے: الامراض کفّارۃ لما مضٰی [6] (ترجمہ) "بیماریاں پچھلے گناہوں کا کفّارہ ہیں۔"

علاج و معالجے کا فلسفہ اب دیکھنا یہ ہے کہ علاج اور معالجے میں فلسفہ کیا ہے؟ — حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا یا ربّ مِمَّنِ الدّاءُ؟ اے میرے رب، بیماری کس سے ہے؟

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام / ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب تغطیۃ الاناء

[2] ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ [3] بخاری، کتاب الصوم، باب السواک / ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ [4] قرآن کریم ۲: ۱۵۵

[5] بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ما جاء فی کفارۃ المرض [6] ایضاً

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا میری طرف سے! انہوں نے پھر پوچھا مِمَّنِ الدَّوَاءُ؟ دوائی کس کی طرف سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میری طرف سے! انہوں نے پھر پوچھا یارب! فَمَا بَالُ الطَّبِيبُ؟ اے میرے رب! پھر طبیب کس مرض کی دوا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: طبیب کے ہاتھ پر دوائی دیتا ہوں [1]

اس مکالمے سے یہ بات مترشح ہوتی کہ بیماری اور دوائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ مریض کی بیماری کو معلوم کرے اور پھر اس کا علاج تجویز کرے اور پرہیز بتائے۔

توکل اور علاج رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دو ڈاکٹروں کو بلایا تاکہ ایک مریض کا علاج کریں۔ ڈاکٹروں نے کہا علاج کی کیا ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل کافی ہے! رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَالِجَاهُ فان الذی انزل الداء انزل الدواء ثم جعل فیہ شفاء فقال فَعَالِجَاهُ فَبَرِئَ [2] (ترجمہ) آپ دونوں اس کا علاج کریں اس لیے کہ جس نے بیماری پیدا کی اس نے دوائی بھی پیدا کی ہے پھر اس دوائی میں شفا بھی ودیعت کر رکھی ہے۔ چنانچہ ان دو ڈاکٹروں نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوگیا۔"

حدیث شریف سے یہ مطلب بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی بیمار کی بیماری سخت ہو جائے تو اس کا علاج بہت سارے ڈاکٹر آپس میں مشورہ سے کریں۔ اسلئے کہ اگر ایک ڈاکٹر اس کی تشخیص نہ کر سکے تو دوسرے کر سکیں گے، مشورے میں ویسے ہی برکت ہوتی ہے۔

دوائی اور تقدیر ایک دفعہ ایک شخص نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا تقدیر کے مقابلے میں دوائی کارگر ثابت ہو سکتی ہے؟ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدواء من القدر وھو ینفع من یشاء بما یشاء [3] (ترجمہ) "دوائی بھی تقدیر میں لکھی ہوئی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور جیسے چاہے فائدہ پہنچاتا ہے۔"

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے: لکل داءٍ دواءٌ فاذا اصیب دواء الداء برئ باذن اللہ [4]

(ترجمہ) ہر بیماری کا علاج ممکن ہے، جب بیماری کے لیے صحیح دوائی تجویز ہو تو وہ پھر اللہ کے حکم سے ٹھیک ہوتی ہے۔"

اس حدیث شریف سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر کو مریض کی بیماری معلوم کرنے میں خاصی کوشش کرنی چاہیئے اور جب بیماری کی صحیح تشخیص ہو جائے تو اس کے لیے پھر مناسب دوائی تجویز کرنی چاہیئے اور صحیح اور مناسب احتیاط بھی بتا دینی چاہیئے۔

---

[1] طبِ نبوی، ۱۸ ف ف [2] بخاری، کتاب الطب / ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا وانزل لہ شفاء / ابوداؤد، کتاب الطب / ترمذی، ابواب الطب [3] طبِ نبوی، ۱۸ ف ف / ایضاً ابن ماجہ، ابواب الطب۔

[4] المستدرک، کتاب الطب ۴، ۲۰۰ / صحیح ابن حبان، کتاب الطب نمبر ۶۰۳۱

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے: ما انزل اللہ من داء الا و انزل لہ شفاء[1] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری بھی لاعلاج پیدا نہیں کی ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

(۱) بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(۲) مریض اور مرض کی صحیح تشخیص کرنی چاہیئے اور صحیح دوائی تجویز کرنی چاہیئے۔

(۳) کوئی بھی بیماری لاعلاج نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹروں کی غفلت اور سستی یا تحقیق و تشخیص نہ کرنے کی بنا پر اگر کوئی بیمار مرتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے باز پُرس کرے گا۔ آجکل ناسور سے جو آدمی بھی مرے کا اس کی باز پُرس مسلمان ڈاکٹروں سے ضرور ہوگی۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ: دخل رسول اللہ علی مریض یعودہ فقال ارسلوا الی طبیب فقال قائل وانت تقول ذلک یا رسول اللہ قال نعم، ان اللہ عزوجل لم ینزل داءً الا انزل لہ دواءً[2] (ترجمہ) "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا ڈاکٹر کو بلاؤ، ایک سائل نے حیرت سے پوچھا یہ آپ ایسا کہتے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری لاعلاج نہیں چھوڑی ہے ہر بیماری کے لیے دوائی موجود ہے۔"

بعض ڈاکٹر حضرات ایسے بھی ہیں جو علاج نہیں کرسکتے یا اُن کو ڈاکٹری کا پورا علم اور تجربہ نہیں ہوتا یا ان کو اس بارے میں تربیت نہیں ملی ہوتی یا مرض کی پوری تشخیص نہیں کرتے یا کسی مریض کو غلط دوائی دیتے ہیں یا غفلت، کام چوری اور سستی کی وجہ سے کوئی مریض فوت ہوجاتا ہے یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوجاتا ہے یا غلط آپریشن کرتے ہیں، ایسے ڈاکٹروں کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَطَبَّبَ ولم یعلم منہ الطب قبل ذلک فھو ضامن[3] "جس نے کسی مریض کا علاج کیا مگر وہ حقیقت میں وہ ڈاکٹر نہیں تھا یعنی نیم حکیم تھا یا طبابت کا تجربہ نہیں تھا یا مذکورہ بالا باتوں کا خیال نہیں رکھا تھا، تو اس مریض کو اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس کا تاوان اس کے ذمہ ہوگا۔"

ناپاک دوا کی ممانعت | نھی رسول اللہ عن الدواء الخبیث[4] (ترجمہ) "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک دوا کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

---

[1] بخاری، کتاب الطب / ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا و انزل لہ شفاء / ابوداؤد، کتاب الطب / ترمذی، ابواب الطب [2] ایضاً [3] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب طبب ولا یعلم منہ طب

[4] ابن ماجہ، ابواب الطب، باب النھی عن الدواء الخبیث

ناپاک دوائی سے شراب بھی مراد لی جاسکتی ہے اور وہ دوائی بھی جس کے استعمال کا عرصہ ختم ہو چکا ہوتا ہے یعنی EXPIRED ہوتی ہے، اس سے صاف اور ستھری دوائی بھی مراد لی جاسکتی ہے، اس سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ مریض کا بستر، کھانا پینا، کھانے پینے کے برتن، انجکشن اور دوائی صاف ہونی چاہیئے اور صاف ہاتھوں سے دینی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مریض کے ارد گرد کا ماحول بھی صاف اور ستھرا رکھنا چاہیئے۔ بیت الخلاء غسل خانہ اور اس کے کپڑے بھی صاف ہونے چاہئیں۔

اسلام نے مضر صحت دوائی کے استعمال سے بھی روک رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ: دع الدواء ما احتمل جسدك الداء لہ (ترجمہ) "اس دوائی کا استعمال ترک کر دو جس سے جسم کو نقصان (SIDE EFKCT) پہنچنے کا احتمال ہو" ــــ اس میں سخت اور تیز ادویات (ANTI-BIOTICS) بھی شامل ہیں اور دوائی بھی جس کا (SIDE EFKCT سائڈ) زیادہ ہو۔

اپریشن (OPERCTION) اسلام نے ضرورت کے وقت عمل جراحی کی بھی اجازت دی ہے کہتے ہیں کہ: ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) امر طبیبًا ان یَبُطَّ بطن رجل اجوی البطن ۲ لہ (ترجمہ) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈاکٹر کو حکم دیا کہ وہ استسقاء کے ایک مریض کے پیٹ میں سوراخ کرکے اس کے پانی کو خارج کر دے" ــــ اس کام کیلئے آجکل سوئیاں استعمال کی جاتی ہیں۔

پھوڑے پھنسیوں کا عمل جراحی اسی طرح اسلامی تاریخ میں پھوڑے پھنسیوں کا عمل جراحی بھی ہوا ہے۔ ایک راوی کہتے ہیں: دخلت مع النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) علی رجل یعودہ بظهره وَرَمٌ فقالوا یارسول اللہ بِهٰذِہٖ مِدَّۃ قال بطوا عنہ قال علیؓ فما بَرِحتُ حتّٰی بُطَّتْ والنبی شاھد ۳لہ (ترجمہ) "ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لیے گیا، اس کی پیٹھ پر ایک پھوڑا تھا جس میں پیپ بھری ہوئی تھی، آپؐ نے فرمایا اس کا عمل جراحی کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا عمل جراحی کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درست ہو گیا"

ڈاکٹری کے علاج کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اور روحانی علاج بھی ضروری ہے۔ نماز، سورۃ فاتحہ، معوذتین اور سورۃ اخلاص سے دم کرنا مفید ثابت ہوا ہے اور یہ ایک اچھا نفسیاتی علاج ہے۔ آپؐ نے

لہ طب نبوی، ۱۸ ف ف　۲لہ زاد المعاد، فی هدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علاج الاورام والجراحات التی تبراء بالبط والبزل　۳لہ ایضاً

فرمایا ہے: علیکم بالشفائین، العسل والقرآن [1] (ترجمہ) "دو چیزوں میں شفاء طلب کرلیا کرو، قرآن میں اور شہد میں۔"

شہد میں تو اس لیے کہ اس میں اَن گنت پودوں کے پھولوں کا رس شامل ہوتا ہے جو مختلف بیماریوں کا علاج ہے۔ قرآن کریم میں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اگر جمادات سے شعاعیں نکل سکتی ہیں اور ان کے ذریعے ریڈار کام کرسکتا ہے، اگر بجلی کی شعاعوں سے مختلف بیماریاں درست ہوسکتی ہیں، اور اگر ایکسرے مشین بجلی کی شعاعوں پہ کام کرسکتی ہے، اور اگر بجلی کی شعاعوں سے ناسور کا علاج ہوسکتا ہے، تو پھر قرآن کے ایک ایک حرف سے بھی شعاعیں نکل سکتی ہیں، الفاظ میں بھی تو اثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو گالیاں دے تو آدمی بہت سخت غصہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی کسی سے نرم اور پیار محبت کی بات کرے تو مخاطب بہت زیادہ خوش ہوتا ہے ــــ اس لیے اگر قرآنِ پاک سے کسی کو دم کیا جائے تو وہ بھی ٹھیک ہوسکتا ہے۔ مگر قرآنِ پاک کے دم کے ساتھ ساتھ دوائی بھی استعمال کرنی چاہیئے، گویا کہ پہلے دوا پھر دُعا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ شفاء دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، قرآن پاک بھی اللہ ہی کا کلام ہے اور حجر و شجر بھی اُسی کی مخلوق ہے، دوائی بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے اور دُعا بھی اللہ ہی کی تجویز کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم لوگ اکثر اپنے نسخوں پہ یہ لکھ دیتے ہیں: ھو الشافی یعنی شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

[1] بخاری، کتاب الطب، باب الرقی بالمعوذات والقرآن و باب الرقی بفاتحۃ الکتاب

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ
بندرگاہ کراچی
جہازرانوں کی جنّت
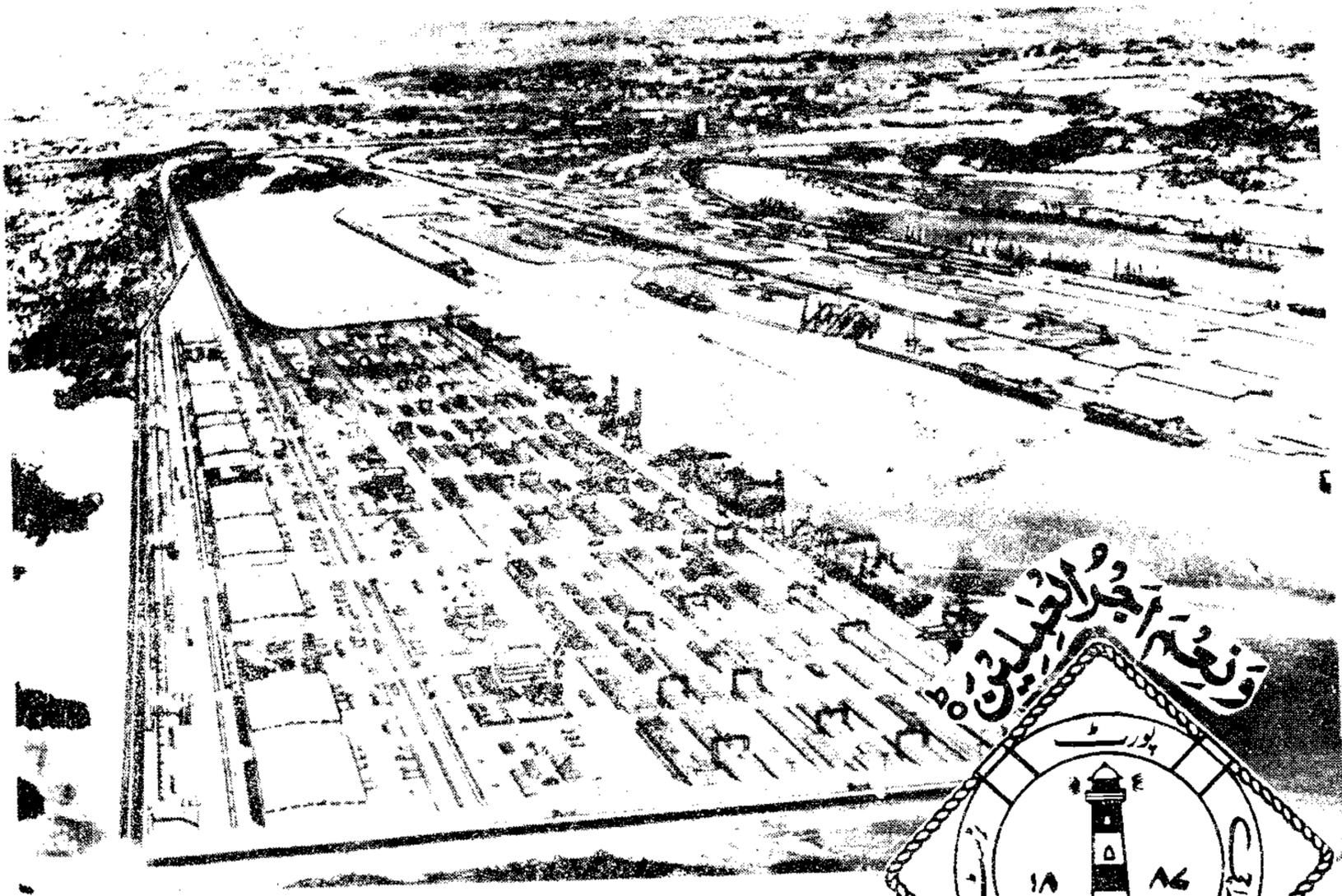
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لیے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لیے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- مستعد خدمات
- جدید ٹیکنالوجی
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

جنابِ ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

وسطِ ایشیا، توران، تُرکستان اور ماوراء النہر

اسلامی علوم و فنون کی پیشرفت کی تاریخ میں بہت سے ایسے علاقوں کے علماء و فضلاء کے نام ملتے ہیں جن کے حدود اربعہ متعین نہیں ہیں مثلاً کسی کے بارہ میں لکھا جاتا ہے کہ وہ ماوراء النہری تھے تو کسی کو خراسانی، کسی کو ترکستانی اور کسی کو تورانی لکھ کر اس کی زادگاہ پر دبیز پردہ ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اصل ماحول، وہاں کے اس زمانے کے مسائل، غالب رجحانات، اخلاقی و تمدنی قدریں اور وہ خارجی عوامل جو کسی شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں سب کے سب ہی ہماری دسترس میں نہیں ہوتے اور ہم اس شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کی توجیہ، تاویل اور تشریح کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ درج ذیل سطور میں وسطِ ایشیا، توران، ترکستان اور ماوراء النہر کے حدود اربعہ کے سلسلے میں چند بنیادی نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس تحریر کا مقصد کسی مسئلہ کو حل کرنا نہیں بلکہ مسئلہ کی سنگینی کا احساس دلانا ہے۔

ماضی قریب کے ایک بہت بڑے ایرانی عالم ڈاکٹر محمد معین مرحوم نے وسطِ ایشیا، توران، ترکستان اور ماوراء النہر کے حدود اربعہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اسلیے درج ذیل سطور میں ہم ان کے افکار و خیالات کا ایک خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد معین کے نزدیک جب وسطِ ایشیا کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد منگولیا، ترکستان، ایران، افغانستان اور تبت کے علاقے ہوتے ہیں[1] ڈاکٹر محمد معین کا یہ بیان تاریخی اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو، ہمارے زمانے کے مروجہ تصورات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس زمانے میں ہم جب بھی وسطِ ایشیا کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس میں ایران، افغانستان اور تبت کے علاقے شامل نہیں ہوتے بلکہ اس سے مراد صرف وہ علاقہ ہوتا ہے جس کو تاریخ اور جغرافیہ نگاروں نے "ترکستان" کہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اب ہمارا ترکستان کا بھی تصور وہ نہیں رہا جو قدیم جغرافیہ اور تاریخ نگاروں کا تھا، اب ہم جب بھی وسطِ ایشیا کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ صرف اس علاقے کے لیے ہوتا ہے جس کو بہت سے مورخین اور جغرافیہ نگاروں نے "مغربی ترکستان" کہا ہے۔ اس مختصر سی بحث سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ "وسطِ ایشیا" کی اصطلاح کتنی مبہم ہے۔ ضرورت اس

---

[1] فرہنگ فارسی، محمد معین، جلد ۵ ص ۳۸ مطبوعہ تہران

بات کی ہے کہ اب اس مسئلہ پر نئے سرے سے نظر ڈال کر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

یہیں سے ہمارے سامنے ایک دوسرا سوال آتا ہے وہ یہ کہ لفظ "ترکستان" کس علاقے کے لیے بولا جاتا تھا؟ ڈاکٹر محمد معین نے اس مسئلہ کو بھی حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک "ترکستان" کے حدود اربعہ یوں ہیں :۔ اس علاقے کے شمال میں سائبریا، مغرب میں بحر خزر (CASPIAN SEA) جنوب میں افغانستان، ہندوستان اور تبت، مشرق میں منگولیا واقع ہے[1]۔ یہ خطۂ ارض سوویتی جمہوریتوں اور چین کے مابین منقسم ہے۔ ڈاکٹر محمد معین کے اس واضح بیان کے بعد جب ہماری نظر لغت نامہ دہخدا کے اوراق پر پڑتی ہے تو "ترکستان" کے محل وقوع کا مسئلہ الجھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لغت نامہ دہخدا کے مقالہ نگار نے "ترکستان" کے عنوان سے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"ترکستان :۔ سرزمین ترکان، جایگاہ قوم ترک، این نام اصولاً بہ سرزمینی اطلاق شدہ کہ مسکن اصلی قوم ترک در آنجا بودہ وتقریباً ایالت سنکیانگ یا ترکستان چین کنونی است ولی بر اثر مہاجرت مستمر این قوم بطرف شرق وغرب رفتہ رفتہ قسمت اعظم آسیائی مرکزی نام ترکستان بخود گرفت چونکہ دامن ہائی جبال تیان شان ودرہ ہائی علیای جیحون وسیحون یعنی حوضۂ دریاچہ ہای بالخاش وقرہ گول والیسی گول ودرہ وانہار ایلی وچو وقزل سو راکہ درعہد باستان توران می گفتند بہ تدریج ترکستان نامیدہ شدہ وہم اکنون ترکستان غربی وترکستان روس نام دارد[2]"

(ترجمہ) "ترکستان : ترکوں کی سرزمین، ترک قوم کے رہنے کی جگہ۔ اس نام کا اطلاق اصولی طور پر اس سرزمین پر ہوتا تھا جہاں ترک قوم کا اصلی مسکن رہا تھا اور یہ علاقہ تقریباً صوبہ سنکیانگ یا ترکستان چین تھا لیکن اس قوم کی مشرق اور مغرب کی طرف مسلسل مہاجرت کی وجہ سے رفتہ رفتہ وسط ایشیا کے بہت بڑے علاقے نے اپنا نام "ترکستان" اختیار کیا۔ اس طرح کوہ تیان شان کا دامنی علاقہ جیحون اور سیحون کے بڑے بڑے درے یعنی بالخاش، قرہ گول اور الیسی گول جھیلوں کی نشیبی زمینیں اور ان کے درے اور ایلی، چو اور قزل سو دریاؤں کے علاقے جن کو قدیم زمانے میں توران کہا جاتا تھا رفتہ رفتہ ترکستان کے نام سے موسوم ہوئے اور آج بھی اس کا نام مغربی ترکستان اور روسی ترکستان ہے۔"

درج بالا اقتباس سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ اوّل اوّل "ترکستان" کا لفظ اُس علاقے کے لیے مخصوص تھا جس کو آجکل مشرقی یا چینی ترکستان کہا جاتا ہے وہ قدیم زمانے میں "توران" کہلاتا تھا، لیکن دقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں

---

[1] فرہنگ فارسی، محمد معین جلد ۵ ص ۳۸۶ [2] لغت نامۂ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۲، تہران، دی ۱۳۴۳ ھجری شمسی، ص ۶۰۸

لغت نامۂ دہخدا ہی کی ایک دوسری عبارت اُلجھن پیدا کر دیتی ہے اور اصل مسئلہ پھر لاینحل ہوتا نظر آتا ہے۔
لغت نامۂ دہخدا میں "ترکستان غربی" (مغربی ترکستان) کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے:۔

"ترکستان غربی": ترکستان روس، قسمتِ اعظم این منطقہ در قدیم بنام "سرزمینِ تور" توران و خوارزم معروف بود کہ امروز بین افغانستان و شمال مشرقی ایران و قزاقستان روس و ترکستان شرقی و مغولستان خارجی قرار دارد جمہوری ہای ترکمنستان و ازبکستان درین ناحیہ است رود جیحون و سیحون در آن جاری است و در حقیقت می توان آن را حوضہ دریاچۂ ارال و دو رود یاد شدہ دانست۔ قسمت شمال غربی این سرزمین را پیش از مغول ترکستان و قسمت جنوب شرقی آن را فرغانہ می نامیدند۔[۱]

(ترجمہ) — "ترکستانِ غربی: ترکستانِ روس، اس علاقے کا ایک بہت بڑا حصہ جو آج کے افغانستان، شمال مشرقی ایران، روسی قزاقستان، مشرقی ترکستان اور بیرونی منگولیا کے درمیان واقع ہے، پرانے زمانے میں سرزمینِ تور، توران اور خوارزم کے نام سے مشہور تھا۔ ترکمنستان اور ازبکستان کی جمہوریتیں اسی علاقے میں ہیں، دریائے جیحون اور سیحون اسی علاقے میں رواں دواں ہیں، اور در حقیقت اس علاقے کو ارال، جیحون اور سیحون کا حوضہ (وادی) سمجھنا چاہیئے۔ اس سرزمین کے شمال مغربی حصے کو منگولوں سے پہلے ترکستان اور جنوب مشرقی حصے کو فرغانہ کا نام دیتے تھے۔"

درج بالا اقتباس کا صاف مطلب یہ ہے کہ منگولوں کے اقتدار سے پہلے اس سرزمین کا صرف وہ علاقہ "ترکستان" کے نام سے موسوم تھا جو اس کا شمال مغربی علاقہ ہے۔ ڈاکٹر محمد معین کے نزدیک "غربی یا روسی ترکستان" ترکمنستان، ازبکستان اور تاجیکستان کی سوویتی سوشلسٹ جمہوریتوں پر مشتمل علاقہ ہے جو بحرِ خزر اور بالخاش جھیل کے درمیان واقع ہے، اس کے جنوب میں افغانستان اور ایران، مشرق میں چینی یا مشرقی ترکستان اور شمال میں سائبیریا ہے۔ اس علاقے کا ایک بڑا حصہ ریگ زار پر مشتمل ہے جس کی ریت کے مختلف رنگ ہیں اور وہ اپنے رنگوں کے نام سے موسوم ہیں مثلاً آق قوم (سفید ریت) قزل قوم (سرخ ریت) قراقرم (سیاہ ریت) مشرقی جانب اسکی سرحد کوہِ التائی اور میان شان پر منتہی ہوتی ہے۔ اس علاقے کے دو دریا مرغاب اور زر افشاں ریگ زار میں بہہ کر ختم ہو جاتے ہیں اور جیحون و سیحون دونوں دریا جا کر ارال سے مل جاتے ہیں۔[۲] ڈاکٹر محمد معین نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے کہ مغربی ترکستان کا علاقہ قدیم زمانے میں سرزمینِ تور، توران اور خوارزم کے نام سے معروف رہا ہو۔

۱؎ لغت نامۂ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۲، ص ۶۰۹ ۲؎ فرہنگ فارسی، محمد معین، جلد ۵ ص ۳۸۶

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ڈاکٹر محمد معین یونانی جغرافیہ نویس بطلیموس کے اس نظریے کو نہیں مانتے کہ توران کا علاقہ وہ علاقہ ہے جو خوارزم کے نام سے مشہور ہے بلکہ ان کے نزدیک توران اور خوارزم دو الگ الگ علاقوں کے نام ہیں۔

اس سلسلے میں جب ہم قدیم مؤرخین اور جغرافیہ و لُغت نویسوں کی تحریروں سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم کو مسئلہ اور اُلجھتا نظر آتا ہے مثلاً اسدی طوسی (پانچویں صدی ہجری) کے نزدیک ترکستان کا نام توران ہے جس میں خراسان کے بھی کچھ علاقے شامل ہیں۔ "فرہنگِ جہانگیری" کے مؤلف میر جمال الدین حسین انجوی شیرازی، فرہنگ رشیدی" کے مؤلف عبدالرشید ٹھٹھوی اور "بُرہانِ قاطع" کے مؤلف محمد حسین بن خلف تبریزی (یہ سب حضرات گیارہویں صدی ہجری کے ہیں) کے نزدیک ولایت ماوراء النہر کا نام توران ہے۔ علاوہ براں لُغت نامۂ دہخدا کے مقالہ نگار کے قول کے مطابق عہدِ وسطیٰ کی عربی، فارسی میں توران کی جو حدبندی کی گئی ہے اس کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں توران کا لفظ ماوراء النہر کے علاقے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اوستا اور دیگر قدیم مذہبی کتابوں میں اس بات کا واضح ذکر ملتا ہے کہ ایرانی اور تورانی ایک ہی نسل کے افراد تھے، فرق صرف یہ تھا کہ ایرانی جلد شہر نشین ہو گئے اور تورانی ایک عرصہ تک خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے رہے [1] "اوستا" وغیرہ کے اس واضح اشارے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ دریائے جیحون کے اُس پار کا وہ علاقہ جس میں ایرانی النسل افراد خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے، توران کے نام سے موسوم تھا، جب اس علاقے میں ترکوں کی آمد شروع ہوئی تو جہاں اُن کی اکثریت ہو گئی وہ علاقہ ترکستان کہلایا، جب دھیرے دھیرے پورے وسطِ ایشیا میں تُرکوں کی تعداد ایرانی النسل افراد کی تعداد سے زیادہ ہو گئی تو پورا علاقہ ترکستان کہا جانے لگا لیکن کچھ لوگ اس کو ماوراء النہر بھی کہتے، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ترکستان، توران اور ماوراء النہر کے الفاظ بہت سے لوگوں کے نزدیک ہم معنیٰ ہو کر رہ گئے اور یہیں سے خلطِ مبحث کا آغاز ہُوا۔

درج بالا سطور میں توران کے سلسلے میں لغت نامۂ دہخدا کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ڈاکٹر محمد معین کی تحریر سے مستفاد ہے۔ ڈاکٹر محمد معین کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"توران: سرزمین است برآں سوی آمو دریا (جیحون) یعنی ماوراء النہر و آن بہ خوارزم متصل بود و از طرف مشرق تا دریاچۂ ارال امتداد داشتہ است۔۔۔۔ بطلیموس یونانی توررا ناحیۂ خوارزم دانستہ و خوارزمی در مفاتیح العلوم نویسد "مرز توران معمولاً نزد ایرانیاں ممالک مجاور جیحون است۔۔۔۔ در کتب عربی و ایرانی قرونِ وسطیٰ توران بہ سرزمین ماوراء النہر اطلاق شدہ [2]"

---

[1] تفصیل کیلئے لغت نامۂ دہخدا شمارۂ مسلسل ۱۴۸ ص ۱۱۰۳ ملاحظہ ہو [2] فرہنگِ فارسی، محمد معین، جلد ۵ ص ۳۹۹

(ترجمہ) "توران :۔آمو دریا (جیحون) کے اُس پار کی سرزمین ہے یعنی ماوراءالنہر، وہ خوارزم سے مُتّصل اور مشرق میں ارال تک پھیلی ہوئی ہے؛ یونانی (جغرافیہ نویس) بطلیموس نے "تور" کو خوارزم سمجھا ہے اور خوارزمی (تیسری صدی ہجری کا ریاضی دان اور دانشور) "مفاتیح العلوم" میں لکھتا ہے "توران کی سرزمین ایرانیوں کے نزدیک بالعموم دریائے جیحون سے مُتّصل ممالک سے عبارت ہے ....." عہدِ وسطیٰ کی عربی اور ایرانی کتابوں میں لفظ توران کا اطلاق ماوراءالنہر کی سرزمین پر ہوتا تھا۔"

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اس بات کا کسی قدر اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وسطِ ایشیا، توران اور ترکستان الگ الگ علاقوں کے نام تھے اور ان الفاظ کو ایک دوسرے کا مترادف نہ سمجھنا چاہیئے، اسی کے ساتھ ساتھ ان علاقوں کے حدودِ اربعہ متعین کرتے وقت پوری چھان بین کی ضرورت ہے کیونکہ ان علاقوں کی سرحدیں مختلف ادوار میں بدلتی رہی ہیں اور کبھی کوئی نیا خطّہ ان میں شامل ہو کر ان کا جزو بن جاتا تو کبھی کوئی خطّہ ان سے نکل کر انہی میں سے کسی دوسرے علاقے میں شمار ہونے لگتا۔

اب صرف یہ مسئلہ بحث طلب رہ جاتا ہے کہ ماوراءالنہر اور توران ہم معنی الفاظ ہیں یا نہیں ؟ جیسا کہ معلوم ہے ماوراءالنہر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی' دریا کے اُس پار کے ہیں۔ ظاہر ہے زیرِ بحث علاقے کے لیے عربوں نے یہ لفظ اُس وقت وضع کیا ہوگا جب وہ ایران کو فتح کرنے کے بعد دریائے جیحون کے اُس پار کے علاقے کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے جس کے نتیجے میں دریائے جیحون کے اُس پار کا ایک بہت بڑا علاقہ ان کے تصرّف میں آگیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر کی تصنیف "حدود العالم" کے نامعلوم مصنف نے ماوراءالنہر کو "بکھری ہوئی سرحدوں" کا علاقہ قرار دیا ہے، اس کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"حدود ماوراءالنہر ناحیتہا یست پراگندہ بعضی بر مشرق ماوراءالنہر و بعضی بر مغرب است، آنک اندر مشرق ماوراءالنہر است، مشرق وی حدود تبّت است و ہندوستان، جنوب وی خراسان است و مغرب وی حدود چغانیان است و شمال وی حدود سروشن است[1]۔"

(ترجمہ) ــــــ "ماوراءالنہر کی سرحدیں پراگندہ اضلاع پر مشتمل ہیں، ان میں سے بعض مشرق میں اور بعض مغرب میں ہیں، وہ حصہ جو مشرقی ماوراءالنہر میں ہے اس کے مشرق میں تبّت اور ہندوستان ہیں جنوب میں خراسان کی سرحد ہے اور اس کے مغرب میں چغانیان کی سرحد اور اس کے شمال میں سروشن کی سرحد ہے۔"

---

[1] حدود العالم، مطبوعہ کابل، ۱۳۴۲ھ ص ۳۹۸

درج بالا اقتباس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں ماوراء النہر اس علاقے کو کہا جاتا تھا جو تبت اور ہندوستان، خراسان، حدود جغانیان اور سروشن کے درمیان کا "واقعہ تھا۔ اس اقتباس میں اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے کہ ماوراء النہر کا علاقہ دریائے جیحون اور سیحون کے درمیان کا علاقہ ہے۔ لیکن بقول مینورسکی[1] "حدود العالم" کے مصنف نے ترکستان کا لفظ اس علاقے کے لیے استعمال کیا ہے جو دریائے سیر (سیحون) کے اس پار کا علاقہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ماوراء النہر کی سرحد دریائے سیر پر آکر ختم ہو جایا کرتی تھی۔ "حدود العالم" پر مقدمہ لکھتے ہوئے بارتھولڈ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس کتاب میں خراسان اور ماوراء النہر کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس پر بلخی اور اصطخری کی تحریروں کا اثر بہت نمایاں ہے[2]۔ بارتھولڈ کے اس بیان سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بلخی اور اصطخری کے نزدیک بھی ماوراء النہر اُسی علاقے تک محدود تھا جس کا ذکر "حدود العالم" میں ہے۔ ہمارے عہد میں ڈاکٹر محمد معین نے ماوراء النہر کے حدود اربعہ متعین کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"سرزمینی بودہ است در شمال رود جیحون و بین سیحون و جیحون شامل بخارا، سمرقند، خجند، اشروسنہ، ترمذ، ماوراء النہر مدت پنج قرن بزرگ ترین مہد تمدن اسلامی ایران و مرکز حکومت ہائی ایرانی و تا دورۂ قاچاریہ تابع حکومت مرکزی ایران بودہ است، ماوراء النہر مولد و مدفن بسیاری از دانشمندان بزرگ ایرانی است، این سرزمین اکنون جزو جمہوری ازبکستان شوروی می باشد[3]۔"

(ترجمہ) — "ماوراء النہر دریائے جیحون کے شمال کی وہ سرزمین رہی ہے جو سیحون اور جیحون کے درمیان واقع تھی جس میں بخارا، سمرقند، خجند، اشروسنہ اور ترمذ شامل تھے۔ ماوراء النہر پانچ صدیوں تک اسلامی ایران کے تمدن اور حکومتوں کا عظیم ترین گہوارہ اور قاچاریوں کے دور تک ایران کی مرکزی حکومت کا تابع رہا ہے۔ ماوراء النہر بہت سے ایرانی دانشمندوں کی جائے پیدائش اور مدفن ہے۔ آجکل یہ سرزمین سوویتی جمہوریہ ازبکستان کا جزو ہے"۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ ماوراء النہر کا علاقہ ہمیشہ ایران کی مرکزی کے تابع نہیں تھا۔ سامانیوں کا دار الحکومت بخارا تھا اور ان کی حکومت عموماً ماوراء النہر اور خراسان کے علاقے تک محدود تھی، سامانیوں کے بعد ایلک خانیوں کا دور شروع ہوتا ہے، اس دور میں بھی کم وبیش یہی صورتحال رہی۔

بقیہ صفحہ ۶۰ پر

---

[1] حدود العالم، مطبوعہ کابل، تعلیقات مینورسکی، مترجم میر حسین شاہ، ۱۳۴۲ھ ص ۱۹۵ [2] ایضاً، مقدمہ بارتھولڈ مترجم میر حسین شاہ ص ۲۴

[3] فرہنگ فارسی، محمد معین، جلد ۶ (اعلام ع-ی) صفحہ ۱۸۹۰، ۱۸۹۱
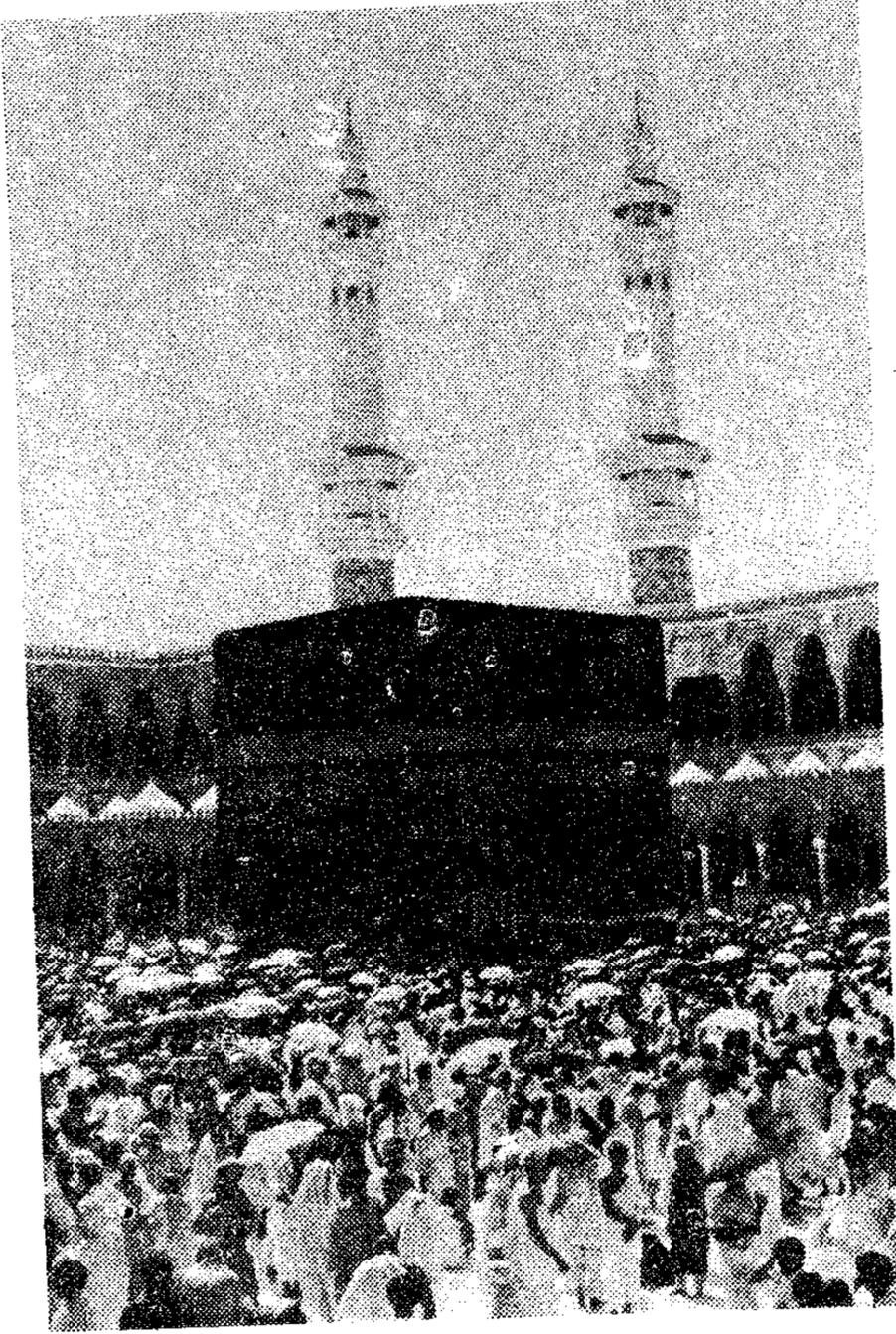
عمرے کی ادائیگی ہر مسلمان کی دلی آرزو ہے۔ مقاماتِ مقدسہ کے خوشگوار سفر کے لئے سعودیہ سے بہتر کوئی نہیں۔

سعودیہ آپ کے لئے مثالی عمرہ فلائٹ کا اہتمام کرتا ہے۔ سفر پر روانگی سے پہلے کی خصوصی دُعا سے لے کر میقات الاحرام کے اعلان تک۔

اس اہم ترین سفر کے لئے اہم ترین فیصلہ کیجئے۔ سعودیہ سے پرواز کیجئے۔

مزید تفصیلات اور نشست محفوظ کرانے کیلئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا سعودیہ کے ریزرویشن دفاتر سے رجوع کیجئے۔

ORIENT

SV. 2.91

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی۔این۔ایس۔سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

PARAGON

جناب عبدالحی ابڑو، اسلام آباد

مُصیبتوں اور پریشانیوں کا علاج

خوشیاں اور غم انسانی تخلیق کا حصہ ہیں۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

یہی وجہ ہے کہ انسان کی زندگی کے حالات کبھی یکساں نہیں رہتے، وہ کبھی خوشی و مسرّت کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے تو کبھی غم و اندوہ کے گھٹاٹوپ اندھیرے اس پر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ مشقت اور تکلیف انسان کی تخلیق کے عمل میں ہی کارفرما رہے ہیں۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝ لیکن یہ مشقت عبث نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک بڑی حقیقت و غایت مضمر ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً (ترجمہ) ”اچھے اور بُرے حالات میں ڈال کر ہم تمہاری آزمائش کر رہے ہیں“۔ یہ آزمائش کہ کون دونوں طرح کے حالات میں خالقِ کائنات کو پہچان کر اس کا مطیع و فرمانبردار رہتا ہے اور صبر و شکر کو اپنا شعار بناتا ہے اور کون اس کے برعکس عمل کرتا ہے۔

خوشی بھی اپنی جگہ ایک بڑی آزمائش ہے لیکن مصیبت اور غم کے مقابلے میں اور کسی بڑی آزمائش کا تصور شاید ممکن نہ ہو۔ اس مضمون میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں مصائب و تکالیف کا مقابلہ کرنے اور ان کا علاج تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا بیشتر مواد حافظ ابنِ قیمؒ کی ”زاد المعاد“ سے ماخوذ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جن پر جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے“۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں“۔

مسندِ احمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ کوئی شخص اگر مصیبت سے دوچار ہو جائے اور یہ دُعا کرے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، یا اللہ! میری مصیبت میں مجھے پناہ دے اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں پناہ دے گا اور بہتر عوض عطا فرمائے گا۔

یہ دعائیہ کلمات مصیبت کا سب سے بہتر علاج ہیں اور دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ فائدہ بخش ہیں کیونکہ ان کی بنیاد دو عظیم اصول ہیں، اگر بندے کو ان کی معرفت حاصل ہو جائے تو مصیبت میں اسے اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔

(۱) جو کچھ تمہارے پاس ہے سب خدا ہی کا ہے | یعنی یہ کہ بندہ خود، اس کے اہل و عیال اور اس کا مال سب کچھ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اس کے پاس یہ جو کچھ بھی ہے محض مستعار ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان میں سے جب کسی چیز کو لے لیتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنی ہی ملکیت کو بندے کے عارضی قبضہ سے واپس لیتا ہے۔ دراصل انسان دو طرح کی محرومیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک اس نعمت کی موجودگی سے پہلے کی محرومی اور دوسری اس کے چھن جانے کے بعد کی محرومی۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ بندہ اس کا مالک کب تھا؟ اس کی یہ عارضی ملکیت صرف ایک محدود مدت تک کے لیے ہی تو تھی، نیز اسے اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس چیز کو وجود میں لانے کے لیے خود اس کا ذرہ برابر بھی عمل دخل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اسے ہلاکت اور آفتوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۲) آخرکار اللہ کے پاس واپس جانا ہے | بندے کا مرجع و مصیر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کی طرف ہے اور دنیا کو چھوڑ کر منفرد حالت میں پروردگار کے سامنے پیش ہونا ایک یقینی امر ہے، بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے اہل و عیال اور مال و متاع کے بغیر تنہا پیدا کیا تھا۔ تب وہاں اس کا نہ کوئی خاندان ہوگا اور نہ اہل و عیال بلکہ وہاں تو صرف نیکیاں اور بدیاں لے کر حاضر ہوگا۔ جب بندے اور اس کے مال و ملکیت کی ابتداء اور انتہاء کی حقیقت یہ ہے تو پھر موجود پر خوشی و مسرت کیسی؟ اور مفقود و معدوم پر غم و افسوس کیوں؟ اس مرض کا علاج درحقیقت مبداء اور معاد کے بارے میں غور و فکر میں پنہاں ہے۔

مصیبت کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اسے اس بات کا پورا پورا یقین ہونا چاہیئے کہ جو تکلیف پہنچی ہے وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو ٹل گئی وہ کبھی پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ (ترجمہ) "کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اسے پیدا کرنے سے پہلے نوشتۂ تقدیر میں لکھ نہ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہوا اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ، اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں" (سورۃ الحدید ۲۲، ۲۳)

اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اگر وہ اپنی مصیبت میں غور و فکر کرے تو اسے احساس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں اسے دے رکھی ہیں وہ اس مصیبت کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اگر مصیبت

پر وہ صبر و رضامندی سے کام لے تو اجر کا جو بے پناہ ذخیرہ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے محفوظ رہے گا وہ اس چیز کے چلے جانے سے کہیں بڑھ کر ہے، اگر خدا چاہتا تو اس مصیبت کو موجودہ شکل سے بڑی حالت میں لا سکتا تھا۔

اپنے غم پر دوسروں کا غم یاد کرنا اپنی مصیبت کو غمگینوں، زخم خوردہ اور مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر ہلکا کرنا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر جگہ رنج و غم اور مشقت و تکلیف میں مبتلا لوگ موجود ہیں۔ بھلا دنیا میں ایسا بھی کوئی شخص ہے جو کسی نہ کسی پریشانی سے دوچار نہ ہو، خواہ یہ پریشانی کسی مرغوب و محبوب چیز کے چھن جانے کی ہو یا کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کی۔ دیکھا جائے تو دنیا کی خوشیاں محض خواب ہیں یا ڈھل جانے والا سایہ، اگر کچھ دیر ہنساتی ہیں تو زیادہ دیر رُلاتی ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، "ہر خوشی کے بعد غم بھی ہے اور جس گھر میں خوشی آتی ہے غم بھی ضرور آئے گا۔"

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: "کوئی ایسی ہنسی نہیں جس کے بعد رونا نہ ہو۔"

ہند بنت نعمان کہتی ہیں: ہم نے وہ دور بھی دیکھا جب ہم تمام لوگوں پر غالب اور طاقتور تھے، مگر پھر وہ زمانہ بھی آیا کہ ہم سے کمزور اور فروتر کوئی نہیں تھا۔ اللہ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جس گھر کو خیر سے بھر دیتا ہے اس میں کبھی غبار بھی اُڑا دیتا ہے۔ اسی خاندان کے زمانۂ عروج کی بات ہے کہ ایک دن اس کی بہن حُرقہ بنت نعمان رو پڑی اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا "میں اس لیے نہیں رو رہی کہ کسی نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے بلکہ مجھے اس عیش و عشرت پر رونا آرہا ہے جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ جو گھر بھی خوشی و شادمانی سے بھر جاتا ہے غم و حسرت بھی اس کے حصے میں ضرور آتی ہے۔"

اس کا توڑ یہ بھی ہے کہ آدمی یقین کرے کہ جزع فزع اور واویلا مصیبت کو دُور نہیں کر سکتا بلکہ اس میں اضافے کا ہی سبب بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انسان کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ صبر و تسلیم اور رضامندی کا ثواب ضائع نہ ہونے دے۔ نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ صبر کے بعد جو مسرت و لذت حاصل ہوگی وہ اس مصیبت سے کئی گنا زیادہ ہوگی اور صبر و استقامت کی راہ اپنانے پر جنت میں بنا ہوا بیت الحمد اسے اپنے پروردگار کی حمد اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے سے عطا ہوگا۔ پس انسان خود ہی سوچ لے، کونسی مصیبت بڑی ہے آیا دنیا کی عارضی مصیبت یا جنت کا بیت الحمد چھن جانے کی دائمی مصیبت اور ندامت و پریشانی؟

جامع ترمذی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت آئی ہے کہ قیامت کے روز لوگ جب مصیبت زدگان (کے صبر کے باعث) ان کا ثواب عظیم دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی۔ (جس پر وہ صبر کرتے اور اس اجر کے مستحق ہوتے)

مصائب نعمتِ الٰہی کا سبب ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ بندے کو ہر مصیبت

کے بدلے میں انعام واکرام سے نوازتا ہے۔" نیز آپ کا ارشادِ گرامی ہے: "جسے اجر کی اُمید ہو اُسے مصیبت کے موقعہ پر تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔"

بعض سلف سے یہ قول منقول ہے: "ہم پر اگر دُنیا میں مصائب نہ آتے تو ہم قیامت کے روز مفلس اور قلاش ہی اٹھتے۔"

مسندِ احمد اور ترمذی میں حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دوست رکھتا ہے تو اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے، چنانچہ جو راضی رہا (یعنی اس نے صبر کیا) اُسی کے لیے اللہ کی رضا ہے، اور جو ناراض ہوا (صبر نہ کرسکا) اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے ۔۔ مسند احمد میں یہ اضافہ ہے، "جو جزع فزع کرے اس کے لیے جزع (واویلا) ہے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس پر راضی رہے۔"

اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ انسان دونوں لذتوں میں سے بڑی اور دائمی لذت کو ہمیشہ مدِ نظر رکھے جن میں سے ایک تو خود اس نعمت سے لطف اندوز ہوتے رہنے کی لذت ہے اور دوسرے اس کے چھن جانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ملنے والے اجر و ثواب کی لذت۔ اگر اسے اس دوسری لذت کا پلڑا بھاری نظر آئے تو چاہیئے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اس توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور اگر پہلی لذت کا پہلو اسے غالب نظر آئے تو پھر اسے جان لینا چاہیئے کہ اس کی عقل و دانش اور دین و ایمان کی مصیبت اسے پیش آنے والی عارضی مصیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

مصیبت صبر اور ایمان کا امتحان ہے

بندے کو یہ جاننا چاہیئے کہ جس ذات نے اسے آزمائش میں ڈالا ہے وہ احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہے، اس نے مصیبت اس لیے نازل نہیں کی تاکہ بندے کو ہلاک کر ڈالے یا اسے عذاب میں مبتلا کر دے بلکہ اس کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بندے کے ایمان اور صبر و رضامندی کی آزمائش ہو اور اس کے ذریعے بندے کی عجز و انکساری اور آہ و زاری کے اظہار کو وہ سُننا چاہتا ہے اور اسے اس حال میں دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ ہر طرف سے نا اُمید ہو کر اس کے دربار میں پڑا ہوا ہو اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ پوری توجہ سے اپنی تکلیف کی حکایات اس کے حضور پیش کر رہا ہو۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: "بیٹے! مصیبت تجھے ہلاک کرنے کے لیے نہیں آتی بلکہ تیرے صبر و ایمان کا امتحان لینے آتی ہے، بیٹے! تقدیر درندے کی مانند ہے اور درندہ مُردار کو نہیں کھاتا"۔ مطلب یہ ہے کہ مصیبت بندے کے لیے بھٹے (دھونکنی) کا کام دیتی ہے جو اسے صاف کرکے سونے سے کُندن بناتی ہے یا پھر سوائے راکھ کے کچھ نہیں رہنے دیتی، کسی نہ کسی بھٹے سے اسے بہرحال گذرنا ہے۔ اگر یہ دنیاوی بھٹے سے سرخرو ہو کر باہر نہ آیا تو پھر اس کیلئے ایک اور

بڑا اجتماع جہنم کی صورت میں تیار رہے"۔ (خدا اس سے محفوظ رکھے)

اس کے علاج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان کو سوچنا چاہیئے کہ یہ دنیاوی مصائب و تکالیف ہی ہیں جو اسے تکبر و فرعونیت اور شقاوتِ قلبی جیسے ان امراض کے لاحق ہونے سے بچاتے ہیں جو دنیا اور آخرت میں ہر جگہ تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں، اسلئے یہ تو ارحم الراحمین کا کمالِ رحمت ہے کہ بعض اوقات وہ مصائب کی دوا استعمال کرا دیتا ہے جن کے باعث امراض سے تحفظ رہتا ہے اور عبدیت و بندگی کی صحت قائم رہتی ہے، نیز ناشکری و عدوان اور شرک وغیرہ کے فاسد مواد کا استفراغ جاری رہتا ہے پس پاک ہے وہ ذات جو ابتلاء و آزمائش کے ذریعے رحم فرماتی ہے اور انعامات کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔ ؎

قد ینعم اللہ بالبلویٰ وان عظمت ویبتلی اللہ بعض القوم بالنعم

اگر اللہ تعالیٰ آزمائشوں اور مصیبتوں کے ذریعے بندوں کا علاج نہ فرماتے تو وہ سرکشی اور فساد و بغاوت کی راہیں اختیار کرتے۔ خدا تعالیٰ جب کسی بندے کو بھلائی سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے ان مہلک بیماریوں کی ہلاکت خیزی کی مناسبت سے ابتلاء و آزمائش کی دوا پلا دیتے ہیں جسکے ذریعہ اس کی پاکیزگی اور صفائی ہو جاتی ہے اور جس کے بعد اسے دنیاوی مراتب میں سب سے بہتر مرتبہ یعنی "عبودیت" پر، اور اُخروی اجر و ثواب میں سب سے بلند اجر یعنی "خدا تعالیٰ کی زیارت اور قربت" کے مرتبے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

دُنیا کا دُکھ آخرت کا ثمر شیریں | آدمی کو یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ دنیا کا دُکھ ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ آخرت میں ثمر شیریں کی شکل میں اسے عطا کرے گا ۔۔ اس بات کی وضاحت اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے، آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے، حُفَّتِ الجنۃُ بالمکارہ وحُفَّتِ النَّارُ بالشہواتِ، "یعنی جنت کے اردگرد مصائب و شدائد کی باڑ لگائی گئی ہے جبکہ دوزخ کے اردگرد مرغوبات (خواہشاتِ نفس) کی باڑ لگائی گئی ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ختم ہو جانے والی عارضی لذّت کو ہمیشہ رہنے والی لافانی لذّتوں کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں اور تھوڑی دیر کی تلخی کو لازوال حلاوت کے حصول کے لیے اور وقتی آزمائش کو ہمیشہ کے آرام و آسائش کی خاطر برداشت نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ہر جگہ خسارے میں رہتے ہیں۔

ہمیں اپنے آپ کو ان انعامات کے بارے میں غور و فکر کی عادت ڈالنی چاہیئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں اور مقربین کے لیے دائمی راحت و عیش، سعادتِ ابدی اور عظیم کامیابی کی صورت میں تیار کر رکھے ہیں۔ نیز اُس ذلت، عذاب اور دائمی حسرتوں کو بھی ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیئے جو اہلِ باطل اور نافرمانوں کے لیے اُس نے تیار کر رکھی ہیں ۔۔ پھر انتخاب کرنا چاہیئے کہ کونسی صورت ہمارے لیے زیادہ مناسب ہے۔ بہر حال ہر آدمی اپنے طریقے پر چل رہا ہے اور ہر کوئی اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی

بحث و نظر

جرح و تعدیل کا تدریجی ارتقاء

"علم الجرح والتعدیل" علم حدیث کی ایک مہتم بالشان شاخ ہے اس میں راویانِ حدیث کی حیثیت اور احوال سے بحث کرتے ہوئے، ان کی ثقاہت یا عدمِ ثقاہت، عدالت یا ضعف، قوتِ حفظ یا اس کی کمی اور ضبط کی خوبی یا خامی وغیرہ کے بارے میں فیصلے صادر کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس میں راویانِ حدیث سے متعلق گوناگوں مباحث و مسائل اٹھائے اور حل کئے جاتے ہیں۔ چونکہ احادیثِ نبویہ کا ثبوت و عدمِ ثبوت میں سلسلۂ سند یا بہ الفاظِ دیگر راویوں کی حیثیت پر موقوف ہے اس لئے علم جرح و تعدیل کی اہمیت و افادیت کے باب میں الگ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اس طرف توجہ دلانا نامناسب نہ ہوگا کہ بنیادی لحاظ سے اس علم کے دو پہلو ہیں ایک نظری دوسرے عملی۔ اول الذکر کے دائرے میں اصولِ حدیث کی وہ کتابیں آتی ہیں جن میں خاص طور پر جرح و تعدیل کے اصول و قواعد مذکور ہیں۔ اور ثانی الذکر سے مراد اسماء الرجال کی وہ کتابیں ہیں جن میں راویانِ حدیث پر ان قواعد کا انطباق کیا گیا ہے۔ پھر جس طرح تدوینِ حدیث کا اہم اور مہتم بالشان عمل عہدِ صحابہ سے شروع ہو کر تبع تابعین اور اتباعِ تبع کے دور میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے اسی طرح جرح و تعدیل نے بھی ارتقا کے مختلف مراحل سے گذر کر ایک منظم اور باقاعدہ علم کی شکل اختیار کی ہے۔ اس علم کی شکل اختیار کی ہے۔ اس علم کے تدریجی ارتقا کی تفصیلات اپنے محدود مطالعے کے دوران راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذریں۔ اس لئے خیال پیدا ہوا کہ اگر اس سلسلے کی جزئیات ایک مضمون میں یکجا کر دی جائیں تو اربابِ ذوق کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم ہو سکتا ہے۔ پیشِ نظر مضمون اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔

زیرِ بحث علم جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، دو اجزا پر مشتمل ہے۔ ایک جرح دوسرے تعدیل۔ جرح، از روئے لغت زخمی کرنے یا مجروح کرنے کو کہتے ہیں (جرحہ یجرحہ جرحًا اثّر فیہ بالسلاح[1]) اور جب یہ لفظ حاکم اور شاہد و گواہ کے سیاق و سباق میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ حاکم کو گواہ کی کذب بیانی یا ایسی ہی کسی خصلت کا علم ہو گیا جس کی بنا پر اب اس کی شہادت قابلِ قبول نہیں رہی (یقال جرح الحاکم، اذا عثر منہ علی ما تسقط بہ عدالتہ من کذب وغیرہ[2]) بعد میں اس لفظ کے محلِ استعمال میں حاکم کی

تخصیص باقی نہ رہی۔ اور مطلق ردّ شہادت کے مواقع پر اس کا اطلاق کیا جانے لگا (وقد قیل ذلك فی غیر الحدہ، جرح الوجل غضّ شہادتہ[۳]) چونکہ روایتِ حدیث کو شہادت اور راوی حدیث کو شاہد سے کئی وجوہ سے مشابہت حاصل ہے اس لئے محدثین نے جب کسی راوی حدیث پر کلام کیا یا اس کی روایت کو رد کر دیا تو اس کے لئے جرح کی اصطلاح وضع کی گئی۔

'تعدیل' کا مادّہ 'عدل' ہے۔ عدل وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کی بات یا جن کا فیصلہ پسندیدہ اور قابل قبول ہو (العدل من الناس، المرضی قوله وحکمه[۴]) اور عادل وہ شخص کہلاتا ہے جس کی گواہی میں کوئی مضائقہ نہ ہو (رجل عدل وعادل، جائز الشهادة[۵]) گواہوں کی تعدیل کا مطلب یہ ہے کہ انہیں عادل و معتبر قرار دیا جائے (تعدیل الشهود، ان تقول انهم عدول[۶]) محدثین کی وضع کردہ تعدیل کی اصطلاح یہیں سے ماخوذ ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصطلاح کے طور پر ان کلمات کا استعمال عہدِ تابعین سے پہلے نہیں ملتا۔ لیکن جہاں تک جرح و تعدیل کی حقیقت کا تعلق ہے تو اس کی مثالیں صحابۂ کرام ہی کے دور سے ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی احادیث نبویہ کے اولین راوی ہیں۔ دنیا میں روایتِ حدیث کا سلسلہ انہیں کے نفوسِ قدسیہ کی بدولت عام ہوا ہی نہیں بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی ایک دوسرے سے آپ کے فرمودات نقل کرتے رہتے تھے۔ بلکہ بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں بھی وہ فرموداتِ نبوی ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے[۷]۔ اس لئے منطقی و فطری طور پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ جرح و تعدیل کا سلسلہ اسی عہد سے شروع ہو چکا ہو۔ اس سلسلے میں ہم پہلے تعدیل کو لیتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ علیہ وسلم، کانت لنا ضیعة واشغال، ولکن الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ، فیحدث الشاهد الغائب[۸] (ہم میں سے ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (براہِ راست) نہیں سن پاتا تھا کیونکہ ہم لوگوں کے پاس جائیداد بھی تھی اور دوسرے مشاغل بھی تھے لیکن لوگ ان دنوں کذب بیانی نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں حاضر رہنے والا، موجود نہ رہنے والے کے سامنے آپ کے فرمودات بیان کر دیتا تھا) مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ میں منقول ہے:۔

ما کل ما نحدثکموه سمعناه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن حدثنا اصحابنا وکانت تشغلنا رعیة الابل[۹]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

واللہ ماکنا نکذب، ولا کنا ندری بعضنا بعضاً[10] (واللہ ہم لوگ نہ تو جھوٹ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ جھوٹ کیا ہے۔ انہیں کا قول ہے۔ لا یتہم بعضنا بعضاً[11] (ہم لوگ ایک دوسرے کو متہم نہیں سمجھتے تھے)

ان بیانات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ خود صحابۂ کرام نے جماعت صحابہ کی اجتماعی طور پر قولاً بھی تعدیل کی ہے اور ایک دوسرے کی روایات کو قبول کرکے عملاً بھی تعدیل کی ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی تعدیل کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ "صدق ابوہریرہ"[12]۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بھی "صدق" کہہ کر ان کی تعدیل و تصدیق کی۔

بعض مواقع پر بعض صحابۂ کرام نے کذب بیانی کی نفی کرتے ہوئے خود اپنی ذات کا بھی تزکیہ فرمایا ہے۔ عبیداللہ بن زیاد نے بعض احادیث کی روایت کے سلسلے میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تغلیط و تکذیب کرتے ہوئے کہا۔

کذبت ولکنک شیخ قد خرفت تو اس کے جواب میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

اما انہ سمعت اذنای، ووعاہ قلبی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول: من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار، ماکذبت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[13]

سن لو یقیناً میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اور میرے قلب نے اسے محفوظ کرلیا ہے۔ کہ جو کوئی دیدہ و دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کا انتساب نہیں کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں فرمایا:-

یقولون: إن أبا ھریرۃ قد اکثر، واللہ الموعد[15]

لوگ کہتے ہیں: ابوہریرہ بہت روایتیں بیان کرتے ہیں۔ اللہ کے حضور میں پیشی کا دن مقرر ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

فما أخالنی اکذب علی خلیلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں اپنے بارے میں یہ نہیں سوچتا کہ میں اپنے خلیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کروں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: اذا حدثتکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلأن اخر من السماء احب إلی من أکذب علیہ[16]۔ جب میں تم لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں تو مجھے آسمان سے گر جانا پسند ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کا انتساب پسند نہیں۔

اسی لئے امام نووی نے صحابہ کے عدول ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے[18]

دوسری طرف قبولِ روایات کے باب میں حزم و احتیاط اور تحقیق و تفتیش کا آغاز بھی صحابۂ کرام کے عہد سے ہی ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے واقعے کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب حضرت موسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ حدیث سنائی۔

قد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا استاذن احدکم ثلاثاً، فلم یؤذن له، فلیرجع

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت طلب کرے اور اُسے اجازت نہ ملے، تو لوٹ جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لتاتینی علی هذا بالبینة تم میرے پاس کہیں نہ کہیں سے اس کا ثبوت لاؤ۔

پھر جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی تصدیق فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میرا دلیل طلب کرنا، عدم اعتماد یا تہمت کذب وغیرہ کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس کا باعث و منشا یہ تھا کہ احادیث کی روایت میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

انی لم اتهمك، ولكن الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شديد (ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

أما إنی لم اتهمك، ولكن خشيت أن يتقول الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم[19]

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے درمیان بھی پیش آیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو حضرت ابن عباسؓ کے ایک فتوے کے بارے میں اشکال تھا۔ لیکن جب ایک صحابیہ نے حضرت ابن عباسؓ کی تصدیق کردی تو حضرت زیدؓ کا اشکال رفع ہوگیا۔[20]

اب ہم سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے جرح کی طرف آتے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا۔ صحابۂ کرام کذب بیانی سے مبرا و منزہ ہیں۔ اس لئے اس پہلو سے ان پر جرح کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ البتہ سہو و نسیان یا منشائے نبوی تک پہنچنے میں ان سے غلطی کے صدور کی بالکلیہ نفی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ کتب حدیث میں ایسے متعدد مقامات آتے ہیں جہاں ایک صحابی نے دوسرے صحابی کی سہو و نسیان یا غلط فہمی کی نشاندہی کی ہے یا اس کا شبہ ظاہر کیا ہے لیکن بہتر ہوگا کہ احترام صحابہ کے پیشِ نظر ہم ان کو 'جرح' کے بجائے 'استدراکات و تعقبات صحابہ' سے تعبیر کریں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی استدراکات زمانۂ مابعد کے راویوں پر جرح کے ابتدائی نمونے اور ان کی بنیاد ہیں۔ لہذا جرح کے تاریخی مطالعے میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ بعض صحابۂ کرام کے اس قسم کے بیانات سے دوسرے صحابۂ کرام کی عمومی تعدیل یا کسی خاص صحابی کی تعدیل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ "الصحابة كلهم عدول" کا قاعدہ، بدون کسی استثنا

قاعدۂ مسلّمہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک صحابی کا دوسرے صحابی کی روایت پر استدراک اور تعقب لامحالہ درست بھی ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ دونوں روایتیں اپنی اپنی جگہ درست ہوں اور استدراک کرنے والے صحابی کو تعدد روایت کا علم نہ ہو۔ اس تمہید کے بعد ہم استدراکات صحابہ کی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ دونوں ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں:۔

ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ[۲۱] (مردے پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ تک یہ روایت پہنچی تو انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی یا ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گذرے۔ وہاں اس کے رشتہ دار اس پر رو پیٹ رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ رو رہے ہیں حالانکہ اس پر عذاب ہو رہا ہے[۲۲]

بیان واقعہ سے پہلے حضرت عائشہؓ نے جو کلمات کہے، وہ مختلف روایات میں مختلف طرح وارد ہوئے ہیں یہاں ان میں سے بعض کے متن نقل کئے جاتے ہیں۔

انکم لتحدثونی عن غیر کاذبین ولامکذبین ولکن السمع یخطیٔ

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:۔ یرحم اللہ أبا عبدالرحمٰن سمع شیئاً فلم یحفظ

ایک اور روایت میں اس طرح ہے:۔ یغفر اللہ لأبي عبد الرحمٰن، أمأنہ لم یکذب، ولکنہ نسی وأخطأ۔ یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم[۲۳] کی ہیں۔ مسند احمد کی ایک روایت میں یوں ہے۔ یرحم اللہ عمر و ابن عمر، ماھما بکاذبین ولامکذبین ولامتزیدین[۲۴]۔ مسند ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:۔ إن ابا عبدالرحمٰن یعنی ابن عمر أخطأ سمعہ[۲۵] ایک اور روایت میں وارد ہے۔ وھل ابو عبدالرحمٰن کما وھل یوم قلیب بدر[۲۶]

یہ روایات تعدیل اور جرح دونوں کا قدیم ترین نمونہ پیش کرتی ہیں:۔

"ماھما بکاذبین ولامکذبین"/"اما انہ لم یکذب"، تعدیل ہے اور "سمع شیئاً فلم یحفظ/ نسی واخطأ/ اخطأ سمعہ/ وھل ابو عبدالرحمٰن" جرح ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے روایت بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں بعد عصر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس روایت کی بنیاد پر حضرت ابن زبیر نے بعد عصر دو رکعت نماز کا معمول بنالیا۔ بعض دوسرے حضرات نے بھی ان کے حکم سے یہ نماز پڑھنے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے کسی کو بھیج کر حضرت عائشہؓ سے اس کی حقیقت دریافت کروائی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ابن زبیر کو بات یاد نہیں رہی۔ یہ دو رکعتیں

نماز ظہر کے بعد کی دو سنتیں تھیں جو قضا کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں پڑھی تھیں۔ یہ ایک طویل روایت ہے۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں:-

فقالت لم یحفظ ابن الزبیر[27]

یہاں بھی حضرت عائشہؓ نے راوی کی طرف سہو و نسیان کا انتساب فرمایا ہے۔

۳۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے:- عبد اللہ بن طاووس عن ابیہ عن عائشۃ أنها قالت: وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاۃ ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا[28]

اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف وہم کا انتساب کیا ہے۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں بھی عمرہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا:- ابن عمرؓ بھول گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں فرمایا۔ اصل روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عروۃ بن الزبیر قال: کنت انا وابن عمر مستندین الی حجرۃ عائشۃ، انا نسمعها تستن: قلت: یا ابا عبد الرحمٰن اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رجب؟ قال نعم، قلت: یا امتاہ: ما تسمعین ما یقول ابو عبد الرحمٰن؟ قالت: ما یقول: اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رجب، قالت: یغفر اللہ لابی عبد الرحمٰن لعمری، ما اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رجب قال: وابن عمر یسمع، فما قال لا ولا نعم، سکت[29]

۵۔ مطلقہ کے سکنیٰ و نفقہ سے متعلق حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت معروف و مشہور ہے۔ حضرت عمرؓ نے کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہوئے، سہو و نسیان شبہے کی بنا پر اسے قبول نہیں فرمایا۔ اس موقع پر ان کے الفاظ اس طرح منقول ہیں:-

قال عمر: لا نترك کتاب اللہ وسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأۃ لا ندری لعلها حفظت او نسیت، قال اللہ عزوجل لا تخرجوھن من بیوتھن، ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ[30]

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

اخبرت عائشۃ ان ابن عمر یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہر تسع وعشرون فأنکرت ذلک عائشۃ، قال: یغفر اللہ لابی عبد الرحمن لیس کذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکنہ قال الشہر یکون تسعاً وعشرین[31]

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اگرچہ عام طور پر تمام صحابہ کی تعدیل کرتے اور ان کی روایات کو قبول کرتے تھے لیکن کبھی کبھی انہوں نے بعض روایات کے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے راوی کی طرف سہو ونسیان یا غلطی و غلط فہمی کا انتساب بھی کیا ہے یا تو اس لئے کہ وہ روایت ان کی اپنی سنی ہوئی روایت کے خلاف رہی ہے اور یا اس لئے کہ انہوں نے اسے قرآن پاک کی کسی آیت سے متعارض تصور کیا ہے۔

جرح و تعدیل کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ ثقہ راویوں کے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ بعض ثقہ ہیں تو دوسرے ان سے زیادہ ثقہ۔ اس طرح بعض کا درجہ کسی خاص باب میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام بھی اس اصول سے بخوبی واقف تھے اور انہوں نے اپنے قول و عمل کے ذریعے اس کا اظہار بھی فرمایا ہے اس سلسلے کی بعض تفصیلات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

۱- شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کی بابت بعض سوالات کئے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرو۔ وہ سفر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

عن شریح بن ھانی قال: أتیت عائشۃ، أسألھا عن المسح علی الخفین، فقالت: علیک بابن طالب، فأسألہ، فانہ کان فو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[32]

۲- حضرت ابوہریرہؓ نے فتویٰ دیا کہ حالت جنابت میں روزہ درست نہیں ہوتا۔ لہذا اگر ایسی حالت میں صبح ہو جائے تو روزہ نہ رکھا جائے۔ ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمیٰؓ اور حضرت عائشہؓ سے استصواب کیا گیا تو ان دونوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف تھا۔ جب حضرت ابوہریرہؓ کو اس کی خبر دی گئی اور انہوں نے اطمینان کر لیا کہ واقعی ازواج مطہرات کا یہی بیان ہے تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور کہا کہ ازواج مطہرات اس سلسلے میں دوسروں سے زیادہ واقف کار ہیں۔ آخر میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میرا پہلا قول حضرت فضل بن عباسؓ کی روایت پر مبنی تھا۔

قال: ھما اعلم، انما انبانیہ الفضل بن عباس[33] حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول ظاہر ہے کہ وہ سلسلہ زیر بحث حضرت فضل بن عباسؓ کے مقابلے میں ازواج مطہرات کو اثقہ اور اعلم سمجھتے تھے۔

۳- ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں نے صوم وصال اور بعد عصر کی دو رکعتوں

کے بارے میں فرمایا کہ ازواج مطہرات کو اس کے بارے میں ہم سے زیادہ علم ہے ۔ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلم بذالک منا۔[۳۴]

یہ تمام گفتگو بعض صحابۂ کرام کی دوسرے صحابۂ کرام سے متعلق تھی۔ اس سلسلے کی اگلی بات یہ ہے کہ صحابہ سے بعض تابعین اور ان کی روایات کی توثیق و تعدیل بھی ثابت ہے۔ مثلاً

۱- ابو مالک کہتے ہیں کہ ہم ابوادریس خولانی کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور وہ ہمیں حدیث سناتے تھے۔ ایک دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غزوے کا ذکر چھیڑا اور اس سے متعلق تمام تفصیلات بیان کیں مسجد کے گوشے میں ایک صاحب تشریف فرما تھے۔ انہوں نے وہیں سے پوچھا کہ کیا تم اس غزوے میں موجود تھے؟ تو ابوادریس نے جواب دیا نہیں۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا۔ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں موجود تھا۔ لیکن تمہیں اس کی جزئیات و تفصیلات مجھ سے زیادہ یاد ہیں۔

خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ، قال: کنا نجالس الی ابی ادریس الخولانی فیحدثنا، فحدث یوماً عن بعض مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حتی استوعب الغزاۃ، فقال رجل من ناحیۃ المسجد، احضرت ہذہ الغزوۃ؟ فقال لا، فقال الرجل قد حضرتہا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولانت احفظ لہا منی۔[۳۵]

۲- ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے فرائض کا کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سعید بن جبیر کے پاس چلے جاؤ۔ انہیں ریاضی کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔ وہ ورثا کے حصوں کی تقسیم اسی طرح کرتے ہیں جیسے میں کرتا ہوں۔

سال رجل ابن عمر عن فریضۃ، فقال: ائت سعید بن جبیر فانہ اعلم بالحساب منی، و ہو یفرض فیہا ما افرض۔[۳۶]

۳- عامر بن الشراحیل الشعبی مغازی کی روایات پڑھ رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعبی ان غزوات میں ہمارے ساتھ شریک تھے یقیناً ان کی یادداشت مجھ سے اچھی ہے اور علم بھی مجھ سے زیادہ ہے مر ابن عمر بالشعبی وھو یقرأ المغازی، فقال: کأن ہذا کان شاھدا معنا، ولھو أحفظ منی واعلم۔[۳۷]

۴- حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جابر بن زید کی تعریف کرتے ہوئے تعریف کرتے ہوئے فرمایا اگر اہل بصرہ جابر بن زید کی باتیں قبول کرتے تو وہ انہیں قرآن پاک کے سلسلے میں اپنی وسیع معلومات سے مستفید کر سکتے تھے۔ روی عطاء عن ابن عباس قال: لو أن اہل البصرۃ نزلوا عند قول جابر بن زید لاوسعہم علما عما فی کتاب اللہ۔

۵۔ حضرت ابن عباسؓ نے طاؤس کے بارے میں فرمایا۔ انی لاظن طاووساً من اھل الجنۃ[۳۸] میں طاؤس کو اہل جنت میں سے سمجھتا ہوں۔

صحابہ کرام کے دور اول میں روایت حدیث میں عام طور پر احتیاط برتی جاتی تھی۔ غیر مستند راوی تھے، نہ غیر معتبر روائیتیں۔ اس لئے صحابہ کرام جس طرح باہم ایک دوسرے کی روایات کو معتبر و مستند تصور کرتے تھے اسی طرح غیر صحابی کی روایات بھی وہ عام طور پر قبول کر لیتے تھے۔ لیکن خلافت راشدہ کا دور ختم ہوتے ہوتے یہ کیفیت باقی نہ رہی۔ اور بعض غیر معتبر راوی معاشرے میں وجود پذیر ہو گئے۔ اس لئے صحابہ کرام نے بھی عمومی توثیق کا رویہ ترک فرما دیا۔ اور یہ اصول وضع کیا کہ صرف وہی روائیتیں قبول کی جائیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بہت واضح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا یاد کرنا ہمارا معمول تھا اور حدیثیں تو یاد کی ہی جاتی ہیں، لیکن جب تم لوگ اچھی بری ہر طرح کی سواری پر سوار ہو گئے تو بات بہت دور ہو گئی۔ یعنی اب ہر راوی اور ہر روایت کی توثیق مشکل ہو گئی۔

انما کنا نحفظ الحدیث، والحدیث یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فأما إذا رکبتم کل صعب وذلول فھیھات[۳۹] ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

انا کنا مرۃ إذا سمعنا رجلا یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا واصغینا الیہ بآذاننا، فلما رکب الناس الصعب والذلول، لم نا خذ من الناس الا ما نعرف[۴۰]

ان بیانات کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ راوی اور روایات کی چھان بین کا سلسلہ صحابہ کرام ہی کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ اسی طرح روایات میں معروف و غیر معروف کی تفریق نیز اول الذکر کے قبول اور ثانی الذکر کے ترک کا اصول بھی صحابہ کرام ہی کا وضع کردہ ہے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس اصول کے انطباق کی مثالیں بھی عہد صحابہ ہی سے ملنے لگتی ہیں۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ (ف ۱۱۷ھ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ایک خط لکھا اور اس میں یہ درخواست کی کہ میرے لئے ایک منتخب صحیفہ تیار کر دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ لڑکا خیر خواہ ہے۔ میں یہ انتخاب ضرور تیار کروں گا۔ پھر انہوں نے حضرت علیؓ کی طرف منسوب فیصلوں کا ایک مجموعہ منگایا۔ اور اس کے بعض حصے اپنے منتخب صحیفے میں شامل کر لئے اور بعض دوسرے حصوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ حضرت علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہ کیا ہوگا۔

عن ابن ابی ملیکۃ قال: کتبت إلی ابن عباس اسالہ ان یکتب لی کتابا ویخفی منی، فقال ولد ناصح انا اختار لہ الامور اختیارا۔ قال فدعا بقضاء علی رضی اللہ عنہ، فجعل یکتب منہ أشیاء، ویمر بہ الشیء فیقول: واللہ ما قضی بھذا علی، الا ان یکون ضل[۴۱]

صحابۂ کرام سے روایت حدیث کے جو اصول و آداب منقول ہیں انہیں مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

(الف) صرف ثقہ راویوں کی ہی روائیتیں قبول کی جائیں۔ حضرت ابن عمرؓ اپنے والد حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں: کان یامرنا ان لا ناخذ الا عن ثقۃ[۴۲] وہ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم بجز ثقہ کے کسی اور سے روایت نہ لیں۔

(ب) غیر معروف راویوں کی روائیتیں نہ قبول کی جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ان الشیطان یتمثل فی صورۃ الرجل فیحدثہم بالحدیث من الکذب، فیتفرقون، فیقول الرجل منہم سمعت رجلا اعرف وجہہ ولا ادری ما اسمہ[۴۳] بلاشبہ شیطان انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر لوگوں کے پاس آتا ہے ان سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ پھر لوگ مجلس سے اٹھ کر ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ پھر انہیں میں کا کوئی شخص کہتا ہے۔ میں نے ایک شخص سے سنا ہے جسے میں چہرے سے پہچانتا ہوں، لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔

(ج) تحقیق و تفتیش کے بغیر ہر سنی ہوئی بات بیان نہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ دونوں سے منقول ہے:۔ بحسب المرء من الکذب ان یحدث بکل ما سمع[۴۴] انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

(د) ایسی روائیتیں بیان نہ کی جائیں جو سامعین کی فہم سے بالا تر ہوں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:۔

حدثوا الناس بما یعرفون، ودعوا ما ینکرون، اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ[۴۵]

لوگوں سے وہی باتیں بیان کرو، جس سے وہ مانوس ہوں۔ جن سے وہ نامانوس ہوں انہیں ترک کر دو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو جھٹلایا جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ما انت بمحدث قوماً حدیثاً تبلغہ عقولہم الا کان لبعضہم فتنۃ[۴۶] تم جب بھی لوگوں سے ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی فہم سے بالاتر ہو، تو کچھ لوگ ضرور فتنوں کا شکار رہوں گے۔

حواشی

۱، ۲، ۳ لسان العرب، ابن منظور (مادہ جرح ۴، ۵، ۶ ایضاً مادہ عدل

۷ ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب الذکر المستحب عقب الوضو (روایت حضرت عقبہ بن عامر)

۸ الجامع لاخلاق الراوی والسامع ص ۱۲: بحوالہ علم رجال الحدیث۔ ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری۔ ص ۵۰۔ ۹ مسند احمد بن حنبل، دار صادر، بیروت ۴/۲۶۳ ۱۰ مفتاح الجنۃ۔ للسیوطی بحوالہ علم رجال الحدیث ص ۵۰ ۱۱ الطبقات الکبریٰ، لابن سعد ۲/۱۳ ۱۲ صحیح مسلم کتاب الجنائز (قیل لابن عمران

ابا ھریرۃ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من تبع جنازۃ، فلہ قیراط من الاجر، فقال ابن عمر: اکثر علینا ابوھریرۃ، فبعث الی عائشۃ نسألہا فصدقت اباھریرۃ
اسی باب کی ایک دوسری روایت میں "صدق ابوہریرۃ" کے الفاظ ہیں۔

[13] مسند احمد ۱/۳۴۸ - سئل ابن عمر عن الجر ینبذ فیہ، فقال: نہی اللہ عزوجل عنہ و رسولہ، فانطلق الرجل الی ابن عباس فذکر لہ ما قال ابن عمر، فقال ابن عباس صدق

[14] سیر اعلام النبلاء ۹/۱۹۶، مسند احمد ۴/۳۶۷ [15] صحیح مسلم، کتاب المناقب، باب من فضائل ابی ہریرۃ

[16] مسند احمد ۵/۱۰۶ [17] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ

[18] شرح صحیح مسلم، باب فضائل الصحابہ - اتفق اھل الحق ومن یعتد بہ فی الاجماع علی قبول شہاداتہم ورواماتہم وکمال عدالتہم رضی اللہ عنہم اجمعین [19] اصل روایت اور آخر کے دونوں اقوال کے لئے ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کم مرۃ یسلم فی الاستیذان۔

[20] مسند احمد ۱/۳۴۸ عن طاوس قال کنت مع ابن عباس اذ قال لہ زید بن ثابت، انت تفتی ان تصدر الحائض قبل ان یکون آخر عہدھا بالبیت، قال نعم، قال: فلا تفت بذلک، فقال لہ ابن عباس: اما لا فسل فلانۃ الانصاریۃ ھل امرھا بذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرجع الیہ زید بن ثابت یضحک ویقول: ما اراک الا قد صدقت۔ [21] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اہلہ [22] صحیح مسلم کتاب الجنائز انما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیہودیۃ یبکی علیہا فقال: انہم یبکون علیہا وانہا لتعذب فی قبرھا مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے انما مرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازۃ یہودی، وہم یبکون علیہ، فقال: انتم تبکون، وانہ لیعذب مسند احمد میں اس روایت کے مختلف متون کے لئے ملاحظہ ہو۔ ۶/۳۹، ۶/۵۷، ۶/۹۵۔ [23] صحیح مسلم کتاب الجنائز۔

[24] مسند احمد ۶/۲۸۱ [25] ایضاً [26] ایضاً ۶/۲۰۹ [27] ایضاً ۶/۱۸۴ [28] ایضاً ۶/۱۲۴ [29] ایضاً ۶/۵۵ [30] صحیح مسلم کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائنۃ لانفقۃ لہا [31] مسند احمد ۶/۲۴۳ [32] صحیح مسلم باب التوقیت فی المسح علی الخفین

[33] مسند احمد ۶/۲۰۳ [34] ایضاً ۶/۱۲۶ [35] سیر اعلام النبلاء للذہبی ۴/۲۰۵ [36] ایضاً ۴/۳۳۶ [37] ایضاً ۴/۳۰۲

[38] حضرت ابن عباس کے دونوں اقوال کے لئے بالترتیب ملاحظہ ہو۔ سیر اعلام النبلاء ۴/۴۸۲ اور ۵/۳۹

[39] بہ [40] مقدمہ مسلم [41] ایضاً [42] فتح الملہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ شبیر احمد عثمانی ۱/۱۳۰ [43] مقدمہ مسلم [44] مقدمہ مسلم حضرت ابوہریرہ رضی سے یہ قول مرفوعاً بھی مروی ہے۔ [45] صحیح بخاری، کتاب العلم باب من خص بالعلم قوما دون قوم کراہیۃ ان لا یفہموا [46] مقدمہ مسلم۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

الحاج ابراہیم یوسف باوا (برطانیہ)

عورت اور فیشن

عورتوں کا اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کرنا، اچھے لباس پہننا احسن اور نہایت اجر و ثواب ہے۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے سامنے میلی کچیلی رہتی ہیں وہ گویا اپنے شوہروں کو بدنگاہ بناتی ہیں جس سے کئی فتنے فساد اٹھتے ہیں اور وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے سامنے بن ٹھن کر آتی ہیں وہ اپنے شوہروں کو کئی برائیوں سے بچاتی ہیں۔ اور کسی کو برائی سے بچانا بھی اجر و ثواب ہے، اور یہ کہ آپس میں محبت بڑھتی ہے اور اُن کا گھر بھی ہرا بھرا خوشحال رہتا ہے۔

عورتوں کا اپنے محرم (جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں) کے سامنے بناؤ سنگھار کرنا جائز تو ہے لیکن اس دورِ فتن میں اس سے احتیاط کرنا ضروری ہے۔ بہت سارے ایسے واقعات پڑھنے اور سُننے میں آتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! آج کے "ترقی کے دور" میں تو کئی واقعات ایسے پڑھنے اور سُننے میں آتے ہیں کہ بھائی اور باپ سے بلکہ بیٹے سے بھی برائی میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ "جو باتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں وہ ٹھیک ٹھیک سب میری اُمت میں ہوں گی، حتیٰ کہ اگر اُن میں سے کسی نے بے محابہ اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو اس بے حیائی کا ارتکاب کرے گا۔" (ترجمان السنہ جلد ۱ صا۳)

عورتوں کا غیر محرم کے سامنے فیشن کرنا تو در کنار نکلنا بھی جائز نہیں۔ کسی کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دیور تو موت ہے"۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گھر کے افراد سمجھ کر عورتیں بے پردہ ہو جاتی ہیں حالانکہ یہ ناجائز اور حرام ہے اور اس سے فتنہ اور برائی میں پڑ جانے کا زیادہ خطرہ ہے۔

جو عورتیں "غیروں کے لیے" فیشن کرتی ہیں وہ دراصل شیطان کی بیٹیاں اور یہود و نصاریٰ کی ایجنٹ ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی عورتوں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والیاں اِس قدر برائیوں میں مبتلا ہیں کہ جسے زیرِ قلم لایا ہی نہیں جا سکتا۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر کتوں اور سؤروں کو تھوڑا بھی سمجھنے اور جاننے کا شعور ہوتا تو ان کی زندگیوں پر لعنت بھیجتے، یہ قوم تو ایسی ہے کہ کتوں سے زنا کرواتی ہیں اور ہم میں سے بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ اُنکی "آزاد زندگی" کو دیکھ کر رال ٹپکاتے ہیں۔

یاد رکھیئے! حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

○ جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ اُنہی میں سے شمار ہوگا۔ (ماہنامہ الشریعہ ۲-۳-۴)
○ تم ضرور گذشتہ لوگوں (مراد یہود و نصاریٰ) کے قدم بقدم چل کر رہو گے حتیٰ کہ اگر اُن میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوگا تو تم بھی ضرور داخل ہو گے۔ (ترجمان السنہ جلد ا ص۳۰)

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیروں کے ساتھ مشابہت سے منع فرمایا، روایت میں ہے کہ :۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فارس کے علاقوں کے مسلمانوں کو تحریری حکم فرمایا کہ تم مشرکوں کی ہیئت اور لباس سے دور رہنا، اور شام کے عیسائیوں پر جو شرائط عائد کی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے اور سر کی مانگ وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہیں کریں گے۔" (الشریعہ ۲-۳-۴۰ از مولانا کاندھلویؒ)

فیشن تو فیشن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عبادات میں مشابہت ہونے اور کرنے سے منع فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہودیوں کے نزدیک عاشورہ کا دن بڑا باعظمت ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُنکی قوم کو فرعون سے نجات بخشی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم بہ نسبت تم (یہود) سے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ زیادہ مناسبت اور حق رکھتے ہیں، پھر آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔" (الزواہر جلد ا ص۲۴۹)

"دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک (زندہ) رہا تو میں ضرور نویں ۹ محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا۔" (حق چار یار ۲-۱-۴)

اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اُمت کو چاہیئے کہ عاشورہ کا نفل روزہ رکھے اور مشابہت سے بچنے کے لیے نویں ۹ یا گیارہویں ۱۱ محرم کا روزہ بھی رکھ کر دو روزے رکھے۔ بعض روایات میں ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کے بعد عاشورہ کے روزے سب سے بہتر ہیں۔ (واللہ اعلم)

معلوم ہوا کہ کسی قوم کے ساتھ کسی طرح کی مشابہت ہوتی ہو تو اسے ترک کرنا لازم ہے ——— اب آیئے چند اُن کاموں کی طرف جن میں عورتیں فیشن کے نام سے ملوّث ہیں :۔

بال :۔ عورت کے لیے زینت کا سامان اور ستر میں داخل ہیں، حتیٰ کہ کنگھی کرنے سے جو بال ٹوٹ جاوے اس کو بھی غیر محرموں کی نظر سے بچانا لازم اور ضروری ہے، اس کا بلا عذر کٹھوانا یا کتروانا بھی ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث پاک میں ایسی عورت پر سخت وعید بتائی گئی ہے۔ (دار الافتاء والارشاد ۲ ص۹۱)

عورتوں کو مردوں کی (بال کٹوا کر) مشابہت کرنا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر
لعنت فرمائی ہے۔ (اقراء ۵-۱-۸۹)

پلکیں بنانا:- پلکیں بنانے کا فعل جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، بنانے
والی پر بھی اور بنوانے والی پر بھی۔ (الفاروق ۶-۳-۲۶)

لپ اسٹک:- اکثر لارڈ، یعنی خنزیر کے گُردہ کی چربی سے بنائی جاتی ہے جس کا استعمال ناجائز اور حرام ہے۔
لپ اسٹک اور ناخن پالش لگی ہوئی صورت میں چکنائی کی وجہ سے پانی سرک جاتا ہے، اس لیے ایسی حالت میں نہ فرض غسل
ادا ہوگا اور نہ وضو، پھر اگر کوئی ایسی حالت میں نماز بھی پڑھے یا قرآن پاک چھوئے تو مرتکب گناہ ہوگا۔

لباس:- آجکل فیشن پرست عورتیں اتنا باریک لباس پہنتی ہیں یا لباس کی کٹنگ ایسی کرتی ہیں جس سے جسم
ظاہر ہوتا ہے، اس میں کئی قسم کی برائیاں ہیں جو ناجائز اور حرام ہیں۔ جیسا کہ نگاہ کا گناہ، کسی کو اپنی طرف مائل کرنا یا کسی
کا مائل ہونا، خواہشات کا بھڑکنا وغیرہ ــــ مغربی ممالک کی عورتیں تو جانوروں سے بدتر ہو چکی ہیں اور انسانیت کا
دن رات جنازہ نکالتی رہتی ہیں، اُن سے ہماری مسلمان عورتوں کا کیا واسطہ؟

شکل وصورت:- اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے "ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے"
اور ہم ہیں کہ میک اپ کر کے اور تغیر کر کے اس میں تغیّر پیدا کر دیتے ہیں، اور بعض تو بس! چڑیل ہی کی طرح معلوم ہوتی ہیں،
کہیں رُخسار، کہیں ناک اور کان کی پلاسٹک سرجری کرا کر تغیّر کرتے رہتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

علماء کرام نے فتویٰ جاری کیا کہ کوٹ، پتلون، ٹائی وغیرہ اہل کتاب کا شعار ہے اور احادیث میں غیر مسلموں کی
مشابہت سے روکا گیا ہے چہ جائیکہ اُن کے شعار کی مشابہت کرے۔ حتیٰ کہ طاعات میں بھی اگر کہیں تشبیہ باہل الکتاب
ہو تو وہاں بھی شارع علیہ السلام نے اضافہ کر دیا ہے تاکہ مشابہت لازم نہ آئے۔ اس بناء پر انگریزی لباس میں عُرف کا
لحاظ کرتے ہوئے بھی جواز پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ (الفاروق ۳-۴-۵۰)

اگر کوئی عورت یوں کہے کہ میرا شوہر فیشن کرنے کی اجازت دیتا ہے یا حکم کرتا ہے کہ کرنا ہی پڑے گا! تو اس کا
جواب یہ ہے کہ شوہر کے لیے تو شرعی حدود میں رہ کر خوب فیشن کرے، البتہ اللہ و رسولؐ کے خلاف کسی کی اطاعت نافرمانی
والے کاموں میں ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)

تشبّہ بالکفار کی تفصیل: حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تشبّہ بالکفار امورِ مذہبیہ میں
تو حرام ہے اور شعارِ قومی میں مکروہ تحریمی ہے۔ باقی ایجادات اور انتظامات میں جائز ہے وہ حقیقت میں تشبّہ ہی نہیں۔ (الحدود والقیود)

صاحبو! کیا یہ حیرت نہیں (بندہ کے نزدیک ظلم ہے۔ ابراہیم) کہ برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمن وردی کو
جُرم قرار دیدے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق نہ ہو کہ آپ دشمنانِ خدا کی وضع و قطع

کو جرم قرار دیں؟ مگر اسلام میں تعصب نہیں۔ چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کا شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ ـــــ اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے، اس میں تشبہ مکروہ ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ عربی کمان استعمال کیا کرو خدا تعالیٰ تم کو اس کے ذریعہ سے فتوحات دیں گے ـــ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربی اسلحہ ہی سے صحابہ کرامؓ کو فتوحات عطا فرمائیں۔۔۔۔۔ اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے عزتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔

بقیہ صفحہ ۳۶ سے آگے (وسط ایشیا، توران ۔۔۔۔)

سلجوقیوں کے زمانے میں بھی ماوراء النہر کا امیر اپنی آزاد حیثیت کا نمائندہ تھا۔ چنگیز خان کے اخلاف میں تیمور نے جو وسیع و عریض سلطنت قائم کی اس کا دارالحکومت سمرقند تھا۔ اسی لیے اس دور میں ماوراء النہر کے ایران کے تابع ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے کے خوانین برائے نام ایران کی مرکزی حکومت کے تابع کہے جا سکتے ہیں مگر یہ تابعیت ویسی ہی ہوگی جیسی کہ آلِ بویہ کی عباسیوں سے تھی۔ اس نقطہ سے قطع نظر اب تک کی بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات یقینی طور پر کہنی مشکل ہے کہ توران اور ماوراء النہر کے الفاظ ایک ہی علاقے کے لیے استعمال ہوتے تھے یا دو الگ الگ علاقوں کے لیے؟

جدید علمی انکشافات و انکشافات نے قدماء کی بہت سی نایاب اور بظاہر مفقود و معدوم تحریروں سے ہم کو آگاہ و آشنا کر دیا ہے۔ اب یہ بات ہمارے دور کے افراد کے لیے آسان ہو گئی ہے کہ وہ قدماء، متوسطین اور جدید دور کے تاریخ و جغرافیہ نگاروں کے رشحاتِ قلم کا دیدہ ریزی اور عمیق نگاہی سے مطالعہ کر کے اس دور کے قاری کے لیے یہ بات واضح کر سکیں کہ کس دور میں کونسا علاقہ ترکستان کہلاتا اور کون سا توران اور کون سا ماوراء النہر؟ علاوہ بریں یہ بھی واضح کر سکتے ہیں کہ وسطِ ایشیا کا لفظ قدماء کے یہاں کن معنوں میں استعمال ہوا ہے، متوسطین کے یہاں کن معنوں میں اور آج ہم اس لفظ سے کیا مراد لیتے ہیں؟ سارا مواد ہمارے سامنے بکھرا ہوا ہے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ جدید ترین علمی طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے اس بکھرے ہوئے مواد کو بنیاد بنا کر مسئلہ کو حل کر دیا جائے۔

حافظ محمد ابراہیم فانیؔ

بتلائے جس نے قوم کو ملّی تشخّصات

تھے عالمِ اسلام پہ ادبار کے حالات ۔۔۔ یورپ کو سمجھنے لگا بس قبلۂ حاجات

جب امتِ مرحوم ہوئی دین سے بیزار ۔۔۔ تقدیر نے دی ملّتِ بیضا کو یہ سوغات

دانائے راز آیا اِک بصورتِ اقبالؔ ۔۔۔ بتلائے جس نے قوم کو ملّی تشخّصات

اقبالؔ تو مدّاحِ محمدؐ عربی ہے ۔۔۔ عشقِ رسولؐ ہے ترا سرمایۂ حیات

اِک عہد فیضیاب تری فکر سے ہوا ۔۔۔ مسلم کو دیا درس خودی درسِ مساوات

تو حافظؒ و رومیؒ کے تصوّر کا امیں ہے ۔۔۔ مشرق کے لیے باعثِ صد فخر و مباہات

سنّائیؒ و عطّارؒ کے مسلک کا راز داں ۔۔۔ رازیؒ کے غزالیؒ کے ترے سامنے دن رات

تیری نگاہ دیدۂ بینائے وطن ہے ۔۔۔ قسّامِ ازل نے تجھے بخشے ہیں کمالات

نظروں میں تری ہیچ ہے یہ دانشِ افرنگ ۔۔۔ مغرب کا مفکر ہے فقط پیرِ خرابات

ہاں تجھ پہ ناز فلسفہ دانی کو بجا ہے ۔۔۔ تو بے نیازِ حکمتِ قانون و اشارات

ہے گم تمہاری ذات میں تسلسلِ آفاق ۔۔۔ وجد آفریں ہے تیری یہ صہبائے خیالات

فانیؔ! تمہاری فکر ترا نام ہے زندہ
اقبالؔ تو امر ترا پیغام ہے زندہ

○

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

حیاتِ بیلیانی | تالیف: مولانا مفتی غلام الرحمٰن — ضخامت ۱۲۸ صفحات — قیمت ۲۴/- روپے
ناشر: مؤتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تحصیل و ضلع نوشہرہ

دنیا میں بڑی بڑی شخصیتیں گذری ہیں اور لوگوں نے ان کی سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ، مجتہدینِ عظام اور دیگر بڑے بڑے علماء و اولیاء کی زندگیوں کو قیدِ کتابت میں لاکر بعد میں آنے والوں پر بڑا احسان کیا۔ کیونکہ ان کتابوں کے مطالعہ سے ایک مصنّف وقاری ضرور خود کو بدلنے اوران کے نقشِ قدم پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے — ہمارے علماء دیوبند و سہارنپور کی مشہور شخصیات میں سے شاید کوئی ایسا ہو جس کی زندگی صفحۂ قرطاس پر نہ آئی ہو۔ ہندوستان میں اس موضوع پر لکھنے کا رواج اور ذوق زیادہ ہے۔ جبکہ ہمارے ملک خصوصاً صوبہ سرحد میں جتنے پشتون علماء گذرے ہیں ان کی زندگیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں، علم و عمل کے بڑے بڑے خزینے دفینے بن گئے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں کوئی آیا ہی نہیں۔

مؤلف کتاب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے علم و عمل کے ایک درخشندہ تارے اور علماء سہارنپور کے ایک لائق روحانی فرزند حضرت مولانا عبدالحنان بیلیانیؒ پر خامہ فرسائی فرمائی اور دنیا پر یہ بات واضح کر دی کہ ایسے دور دراز علاقے میں جہاں تک پہنچنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے، میں بھی بڑے بڑے علماء گزرے ہیں۔

کتاب کے سات ابواب ہیں جن میں علاقائی اور قومی تذکرے بھی ہیں، خاص کر سوات کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ کتاب میں خاندانی علماء کا تذکرہ اور ہر ایک کا مختصر تعارف، یہ سب حضرت بیلیانیؒ کا فیض ہے۔ مؤلف کتاب نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ابواب کی ترتیب بڑی اعلیٰ ہے۔ بعض مقامات پر آپ کو بڑی ادبی چاشنی بھی ملے گی۔ کتاب اہلِ علم حضرات کے لیے بڑی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس سلسلہ کے مزید نقوش مرتب کرسکیں کیونکہ ابھی اور بھی کئی ایسی شخصیات باقی ہیں جن کے تذکرے سننے اور دیکھنے کے لیے بہت سی آنکھیں اور دل بیقرار ہیں۔

انڈیا ونس فریڈم (آخری ایڈیشن کے مطابق مکمل اردو ترجمہ) | از مولانا ابوالکلام آزاد — تقدیم: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری
صفحات ۳۴۸ — قیمت ۱۲۵/- روپے — ناشر: مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل، پاکستان چوک، کراچی ۱

مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے پیچھے ادب، تاریخ، مذہب، صحافت اور سیاست میں ایک عظیم الشان ذخیرہ یادگار چھوڑ

گئے۔ ان کی آخری عظیم الشان تاریخی سیاسی یادگار "انڈیا ونس فریڈم" ہے جو مولانا کے انتقال کے بعد شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک بیانیہ آپ بیتی ہے جو ایک عہد کی سیاسی تاریخ بھی ہے۔ اس کا دورانیہ ۱۹۳۵ء کے انتخابات کے بعد ۱۹۳۷ء میں قومی حکومتوں کے قیام سے بلکہ ۱۹۴۸ء میں گاندھی جی کے قتل تک ہے۔ جنگ آزادی پاک و ہند کی تاریخ میں یہ ایک عظیم الشان دور تھا۔ "انڈیا ونس فریڈم" اس عہد کی سب سے اہم اور مستند ترین تاریخ ہے۔ گذشتہ ۴۲ برس میں اس کی موافقت اور مخالفت میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور ہزاروں مضامین اور مراسلات شائع ہوئے ہیں۔ اس کی اشاعت پر نہ صرف پاکستان میں بلکہ ہندوستان میں بھی شدید ردِ عمل ہوا لیکن اس کی اہمیت کا نقش روز بروز اُجاگر ہوتا گیا اور پاکستان میں یونیورسٹیوں کے پولیٹیکل سائنس و مطالعہ پاکستان کے نصاب کا ایک حصہ بن گئی۔

"انڈیا ونس فریڈم" کی سب سے بڑی خوبی صحیح حقائق، غیر جانبدارانہ مطالعہ، معقول تجزیہ، بے لاگ تبصرہ، صحتِ فکر، اصابت رائے اور اس کا توازن ہے۔ اس میں لیگی رہنماؤں پر تنقید ہے لیکن اس سے زیادہ کانگریسی لیڈروں پر تنقید ہے۔ لیگی رہنماؤں پر تنقید اتنی سخت نہیں جتنی کہ نواب سر محمد یامین خان اور چوہدری خلیق الزمان نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔ مولانا کی تنقید اصولی ہے شخصی نہیں۔ مولانا نے شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری لیگ پر ڈالی ہے تو کیبنٹ مشن پلان کی ناکامی کی ذمہ داری اپنے دوست جواہر لال نہرو پر ڈالی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں خود احتسابی کا فرض بھی انجام دیا ہے اور کئی اپنی سیاسی غلطیوں کا اعتراف بھی کیا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ مولانا آزاد تقسیم کو ملک کے سیاسی مسئلے کا صحیح حل نہیں سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے قیام سے جتنے مسئلے حل ہوں گے اُس سے زیادہ پیدا ہوں گے۔ گذشتہ ۴۵ برس کے واقعات اور حالات نے تو مولانا کی رائے کی تصدیق ہی کی ہے۔ مولانا نے بنگال کی علیحدگی، زبان اور کلچر کے مسئلے کی پیچیدگی، صوبائی قومیتوں کے فروغ، مقامی و غیر مقامی کے مسائل، دستوری، معاشی پیچیدگیوں، حکومتوں کے عدم استحکام، غیر جمہوری قوتوں کے فروغ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا اگر انہیں پیشین گوئیاں سمجھ لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں۔

چونکہ "انڈیا ونس فریڈم" پاکستان میں اعلیٰ جماعتوں میں پولیٹیکل سائنس کے نصاب کا ایک حصہ ہے اس لیے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں البتہ اس ایڈیشن کے خصائص پر ایک نظر ضرور ڈال لینی چاہیئے۔ یہ "انڈیا ونس فریڈم" کے آخری مکمل ایڈیشن (۱۹۸۸ء) کا مکمل ترین ترجمہ ہے جس میں محفوظ تیس صفحات بھی شامل ہیں۔ کتاب کے راوی و مؤلف پروفیسر ہمایوں کبیر سے بعض اشخاص اور کتابوں یا تاریخوں اور واقعات و تفصیلات کے فہم اور تحفظ میں یا تدوین میں جو غلطیاں یا تسامحات ہو گئے تھے انہیں مولانا آزاد کے بیانات و تحریرات کی روشنی میں درست کر دیا گیا ہے۔ حواشی میں اشارات کی تشریح اور اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مقدمہ میں "انڈیا ونس فریڈم" کی اشاعت پر گذشتہ تیس سال میں جو ردِ عمل سامنے آیا اس کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے اور اس کا تاریخی، سیاسی تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری اور ڈاکٹر ریاض الرحمٰن خاں شروانی

کی دو تحریریں بطور مقدمہ و پیش لفظ کے ہیں جن میں کتاب کے مطالب، ان کی اہمیت اور مولانا آزاد کی خدمات اور انکی سیاسی سیرت اور بلند مقام پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ ان دونوں حضرات کا ہندوستان اور پاکستان میں مولانا آزاد کے محققوں اور سیاسی مبصروں میں شمار ہوتا ہے۔ کتاب کے حواشی اس ایڈیشن کا خاص اضافہ ہیں، یہ حواشی ڈاکٹر شاہجہانپوری کی تحقیقی کاوش کا نتیجہ اور مطالعے کی خاص چیز ہیں اور نقد و نظر کے لیے ایک مستقل چیز ہیں۔ بیشمار اشارات کی وضاحتیں، اجمالات کی تفصیلات اور حقائق کا گنجینہ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے پاکستان میں غیر جمہوری قوتوں کے فروغ کی اصل بنیاد اور نقطۂ آغاز پر روشنی پڑتی ہے، چوہدری خلیق الزمان کے الزامات کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے، محمد علی جناح کے گورنر جنرل پاکستان بننے کے پس منظر کی کہانی کی نقاب کشائی ہوتی ہے، سرحد کے خان برادران کے بارے میں مولانا آزاد کی غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے، ڈاکٹر خان کی حکومت کے خلاف سازشوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ اور بھی بے شمار حقائق و واقعات ہیں جن پر ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے نہایت صاف گوئی اور دیانت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ان کی کسی تحقیق سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن انہوں نے جس سلیقے اور شائستگی سے اور دیانت قلم اور توازن فکر کے ساتھ حواشی اور مقدمہ میں حقائق کو تالیف کر دیا ہے اس کے اعتراف سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان اہتمامات کی بدولت یہ ایک ایسا ایڈیشن بن گیا ہے جسے وہ لوگ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جن کے پاس انگریزی میں آخری مکمل ایڈیشن ہو۔ سفید کاغذ، کمپیوٹر کی کتابت، انگریزی کے آخری ایڈیشن کی جلد کی ہو بہو تصویر اور مجلد پلاسٹک کوٹڈ۔ غرضیکہ ظاہری اور معنوی حسن سے آراستہ ایڈیشن، قیمت نہایت مناسب ہے۔